ایک مسیحا ایفائے عہد کو پہنچا

عنیزہ سید

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ایک مسیحا ایفائے عہد کو پہنچا

عنیزہ سید

کتابی شکل: پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

پاکستانی پوائنٹ کوئی تجارتی ویب سائٹ نہیں ہے یہاں پر موجود تمام ناولز بالکل مفت ہیں۔اس مشن کا مقصد صرف اردو ادب کی خدمت کرنا ہے تاکہ وہ لوگ جو وطن سے دور ہیں اور اردو کتب حاصل نہیں کر سکتے، وہ یہاں سے ڈائونلوڈ کر لیں۔اگر آپ اردو لکھنا جانتے ہیں تو آپ بھی روز کا ایک صفحہ کمپوز کر کے اس مشن کا حصہ بن سکتے ہیں۔مزید معلومات کے لئے، سُپر موڈز: روشنی، بسم، حسیب یا مینجمنٹ وقار سے رابطہ کریں،

شکریہ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ایک مسیحا ایفائے عہد کو پہنچا

وہ بہت دن بعد اسلام آباد آئے تھے۔سعیدہ کے حلف اٹھانے کے تقریباً ایک ماہ بعد،اور یہ شاید پہلا موقع تھا جب ملک میں ہونے والی کسی طوفانی سیاسی تبدیلی کے دوران وہ منظر سے اتنے دن غائب رہے ہوں۔

کسی بھی عبوری حکومت میں بیگم سعیدہ رحمان کی شمولیت غالباً روایت سی بن چکی تھی اور اس سے پہلے وہ ہمیشہ ایوان صدر میں ہونے والی تقریب حلف برداری میں موجود لوگوں کے درمیان بیٹھے بیگم سعیدہ رحمان کی وزارت پر مبارکباد وصول کرتے رہے تھے۔

مگر یہ پہلا موقع تھا جب وہ اس قسم کے منظر سے دانستہ طور پر غائب رہے تھے۔یہ عدم موجودگی اپنی تمام بے نیازیوں اور لاپروائیوں کے باوجود اوروں کے ساتھ ساتھ خود سعیدہ کو بھی کھٹکی تھی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے ابرار؟ یہاں میں تمہارے بارے میں لوگوں کے سوالات کے جواب دیتے دیتے تنگ آگئی ہوں۔میرے پاس حالانکہ اس سب کے لیے بالکل بھی وقت نہیں ہے مجھے معلوم نہیں کہ تمہارا مسئلہ کیا ہے۔جو تم اب تک وہاں ملتان سے چپکے بیٹھے ہو۔تمہیں یہاں ضرور موجود ہونا چاہیے تھا۔"

وہ اس کے موبائل فون پر رنگ کر کے گزشتہ ایک ماہ میں کئی بار استفسار کرنے کے بعد حکم دے چکی تھی۔

مگر خود سید ابرار سلام کو بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ اس گہما گہمی والے منظر سے کیوں غائب تھے اور کیوں دانستہ طور پر انہوں نے اسلام آباد آنے کے لیے وہ دن چنے تھے،جب سعیدہ حلف اٹھانے کے بعد پہلی مرتبہ اپنے علاقے کے دورے پر جا چکی تھی۔

"غالباً۔۔بلکہ یقیناً۔۔"سعیدہ کے آفس کے قریب پہنچتے ہوئے انہوں نے سوچا تھا۔"اس لیے کہ ایک عمر جس قسم کی اداکاری کرتے ہوئے گزر گئی تھی،مزید وہ شاید نہ ہو پائے۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

سعیدہ کے آفس میں وہ ہنگامہ اور چہل پہل نہیں تھی جو اس کے موجود ہونے پر ہوتی۔ مگر وہ ایک نوجوان لڑکی تھی جو اسے دیکھ کر یکدم لپکی تھی۔

"آپ۔۔۔آپ سر ابرار سلام ہیں نا؟" اس نے رک رک کر پوچھا تھا۔ "میں یہاں مسز سعیدہ رحمن کے انٹرویو کے خیال سے آئی تھی۔ ہمارا اپائنمنٹ تھا ان کے ساتھ، مگر یہاں آکر سنا کہ وہ اپنے شیڈول سے ایک روز پہلے ہی روانہ ہو گئیں۔"

پھر ان کا جواب سنے بغیر ہی بولی۔ "اتفاق ہے سر! کہ آپ سے ملاقات ہو گئی۔ آپ کہاں رہے اتنے دن سر؟ متوقع کابینہ کی بحث میں اکثر آپ کا نام بھی آتا رہا ہے، مگر کیا آپ خود کو ون پارٹی پالیٹکس تک محدود کرنے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہو رہے۔"

اب کے ابرار سلام نے غور سے اس لڑکی کو دیکھا۔ وہ نئے دور کی ورکنگ گرل سے چنداں مختلف نہ تھی۔ شلوار قمیص پر بڑی سی شال اوڑھے، پاؤں میں امپورٹڈ جوگرز پہنے، شانوں تک آئے بالوں کو گفتگو کے دوران سر کے جھٹکوں سے جھلاتی ہوئی آج کی صحافی خاتون، صحافت جس کو اب ماس کمیونیکیشن کا نام دے دیا گیا تھا۔

"اوہ نو، ناٹ اگین۔" انہوں نے دل ہی دل میں جھنجلاتے ہوئے سوچا تھا۔ "کیا ہی اچھا ہو جو کوئی پائیڈ پائپر ان صحافیوں کو کوئی اچھی دھن سناتا، کسی دریا میں لے جا کر چھوڑ دے۔"

پھر وہ خود ہی اپنے خیال پر مسکرائے۔

"اس فورتھ اسٹیٹ سے تو اب کوئی چنگیز خان ہی آکر نجات دلا سکتا ہے اور آج کل کے سوکالڈ مہذب دور میں چنگیز خان کا کیا سوال ہے؟"

وہ خود سے گفتگو کرتے ہوئے مسلسل مسکرا رہے تھے، اور وہ صحافی لڑکی ان کی مسکراہٹ کو شولری سمجھ کر

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

یقیناً مزید سوال داغنے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔

"سعدیہ! میرا مطلب ہے میرا نام سعدیہ رضوی ہے اور میرا تعلق ڈیلی نیوز ٹوڈے سے ہے۔"

اس نے جواباً مسکراتے ہوئے تعارف کروانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا مگر وہ سعیدہ رحمان کا پرسنل سیکرٹری تھا جو نہ جانے کہاں سے آٹپکا تھا اور "اوہ سر" کرتے ہوئے انہیں آفس کے اندر گائیڈ کر رہا تھا۔ آفس کے اندر کا منظر عین مین وہی تھا جو کسی منسٹر کے دفتر کا ہونا چاہیے۔

"سر! یہ صحافی انتہائی لیچڑ، انتہائی جان لیوا۔" سعیدہ کا سیکرٹری جو نہ جانے کیسے اس کے پیچھے اسلام اباد ہی رہ گیا تھا۔ مکمل طور پر شاہ کا وفادار ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔

"بیگم صاحبہ کا حلف سر! بیگم صاحبہ کی شخصیت، بیگم صاحبہ کا گریس سر۔" کافی سر و کرتے ہوئے اس کی زبان مسلسل وفاداری کے ثبوت پیش کرنے کے لیے چل رہی تھی۔ "کوئی بھی کیبنٹ ان کے بغیر ادھوری سی نظر آتی ہے۔ ان کے بغیر تو ادھوری نظر آتی ہی ہے سر مگر آپ سر! آپ تو خود بھی سر۔ ہم تو کہتے رہے)اس کا مستحق ہے سر! مگر یہ اوپر caliber ہیں سر! آپ کو بھی کابینہ میں ہونا چاہیے تھا سر۔ آپ کا کلیبر (کے فیصلے۔ خیر کوئی بات نہیں سر! بیگم صاحبہ ہوں یا آپ بات تو ایک ہی ہے۔ وزارت آپ کے گھر میں ہے سر! آئندہ الیکشن میں یہ وزارت پوری طرح آپ کے کام آئے گی سر۔"

اس شخص کی زبان مسلسل چل رہی تھی اور ابرار سلام مسلسل بور ہو رہے تھے۔

"ناحق ہی میں ادھر آیا۔" وہ دل میں سوچ رہے تھے۔ "لیکن اگر میں یہاں نہیں آتا، حاضری نہ لگواتا تو سعیدہ کے مزاج کو کون بھگتتا۔" آدھ گھنٹے کے بعد جب ان کو یقین تھا کہ اتنی موجودگی سعیدہ کو مطمئن کرنے کے لیے کافی ثابت ہو سکتی تھی۔ وہ اس شخص کی چلتی زبان سے جان چھڑاتے ہوئے اٹھے۔

"آج شام کابینہ کی میٹنگ بلائی گئی ہے۔" وہ باہر نکلے تو وہ صحافی لڑکی جو نہ جانے کیوں اب تک وہیں بیٹھی تھی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ان کے پیچھے چلی آئی۔ "کیا آپ کو معلوم ہے مسز سعیدہ رحمان یہ میٹنگ اٹینڈ کر رہی ہیں یا نہیں؟" وہ کسی بات کو سنے یا جواب دیے بغیر تیز قدموں سے

طویل راہداری عبور کر کے بیرونی دروازے تک پہنچنا چاہ رہے تھے اور وہ اپنا بیگ سنبھالتی ہاتھ میں پکڑے کاغذ سینے سے لگائے تقریباً بھاگتے قدموں سے ان کے پیچھے آ رہی تھی۔

"میری اطلاع کے مطابق ایک خصوصی طیارہ انہیں لینے کے لیے ملتان پہنچ رہا ہے۔ یہ ایک بڑی خبر ہے۔ کیا نہیں ہے؟" اپنی بات ان کے کان تک پہنچانے کے لیے جس تیزی سے وہ چل رہی تھی، اس نے اس کی سانس پھلا دی تھی۔

ڈرائیووے پر ان کا گن مین کھڑا تھا اور جب وہ اس کی معیت میں ہو لیے تو ان کے پیچھے آتی اس لڑکی کے قدم سست پڑنے کی آواز سنائی دینے لگی اور اپنی گاڑی تک پہنچ کر بلا ارادہ انہوں نے گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ وہیں ڈرائیووے پر کھڑی ہاتھ میں کاغذ پکڑے کاغذات پر کچھ لکھنے کی غرض سے بیگ میں سے قلم نکال رہی تھی۔

"اس فیلڈ میں ہر وقت کچھ نیا دریافت کر کے اسکوپ بناڈالنے کی دھن نے ان صحافیوں کو تقریباً جنونی بنا رکھا ہے۔" انہوں نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے سوچا "اور ہم لوگ" پھر انہوں نے بیک مرر میں میں جھانکتی اپنی صورت پر نظر ڈالتے ہوئے اظہار افسوس کیا۔ "بے چارے ہم لوگ۔ کبھی یہ صحافی، کبھی گاڑی کے پیچھے "ٹیلی فون "Bugged بھاگتی خفیہ والوں کی گاڑیاں اور کبھی یہ"

ان کی نظر ہاتھ میں پکڑے موبائل فون پر پڑی۔ "عجیب بااختیار لوگ ہیں ہم۔ عجیب آزاد لوگ ہیں ہم۔۔۔ ہاہاہا۔"

ان کا دل قہقہہ لگا کر اپنی بے بسی پر ہنسنے کو چاہا مگر آگے بیٹھے شوفر کی موجودگی کے خوف نے ان کا استہزائیہ قہقہہ بھی ان کے گلے میں ہی گھونٹ دیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"ہا! ہم آزاد اور صاحب اختیار لوگ۔" انہوں نے دل ہی دل میں کڑھتے ہوئے سوچنے پر ہی اکتفا کر لیا۔ اور پھر ان کی توجہ موبائل فون کی بجتی گھنٹی نے کھینچ لی۔

"میں بول رہی ہوں۔" وہ سعیدہ کی آواز تھی۔ "تم اسلام اباد کب پہنچے۔ ایک تو تمہارے پروگرامز کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ خیر۔ آج رات کابینہ کی میٹنگ ہے اور کابینہ کے اعزاز میں نگران وزیر اعظم کا ڈنر بھی۔ تم کو جلد باقاعدہ انویٹیشن بھی مل جائے گا۔ میرا مقصد یہ تھا کہ تمہیں وہاں موجود ہونا چاہیے۔" وہ کہہ رہی تھی۔

اس نوعیت کی تقریبات میں شرکت کرتے ایک عمر ہو چلی تھی۔ ایوان وزیر اعظم کے آؤٹ لکس اور ڈیکورز ان کی نظروں کے سامنے اتنی بار بدل چکے تھے کہ اب تو گنتی بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ مگر نہیں بدلا تھا تو یہ منظر نہیں بدلا تھا۔ وزیر اعظم صاحب، ان کے آگے پیچھے دائیں بائیں موجود لوگ، مدعوئین کی قطار۔ ایک کے بعد ایک بڑھتا قدم مصافحہ کر لینے کا شرف حاصل کرنے والے اپنے ہاتھ کی قسمت پر رشک کرتے ہوئے، اندرونی ہال میں گائیڈ کرنے والوں کی معیت میں اپنی اپنی نشستیں سنبھالتی شخصیات۔

"افوہ! اب تک تو انسان کو فیڈاپ ہو جانا چاہیے مگر بندہ کس قدر مجبور ہے۔" انہوں نے اس شام بے حد بددلی دے وزیر اعظم صاحب اور ان کی کابینہ کے ارکان سے ملتے ہوئے سوچا۔ سعیدہ ان کے ساتھ قدم ملاتی لوگوں سے مل رہی تھی۔ ان لوگوں سے بھی جن سے وہ واقف تھے اور ان سے بھی جن سے وہ ناآشنا تھے مگر سعیدہ ان سے متعارف تھی۔

"اور یہ ہی تو اس عورت کا کمال ہے۔" پھر انہوں نے ایک کونے میں کھڑی چینی قونصلیٹ سے باتیں کرتے کرتے اچانک سعیدہ پر نظر پڑ جانے کے بعد سوچا۔ "اس کو بھرم رکھنے کا فن آتا ہے۔ ظاہر داری جتنی اس کو عزیز ہے میں نے کسی اور شخص کو اس سے پیار کرتے نہیں دیکھا۔ مگر لطف کی بات تو یہ ہے کہ جتنی محنت تمام

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

عمر سعیدہ نے دنیا والوں کو یہ باور کرانے میں کی ہے کہ وہ اور میں ایک قابل رشک ازدواجی زندگی گزار رہے ہیں اتنا ہی اس دنیا کو یقین نہیں ایا۔"

وہ یہ بات سوچتے ہوئے مسکرا رہے تھے اور ان کی نظر گاہے گاہے سعیدہ پر پڑ رہی تھی۔ سلور گرے بال سعیدہ کو عمر سے زیادہ شوق نے عطا کیے تھے۔ وہ منفرد کہلائے جانے کے عشق میں مبتلا تھی۔ یہ ہی وجہ تھی کہ اس عمر کی خواتین جو وقت سے پہلے بالوں میں اتر آنے والی سفیدی کو کسی ہیئر ڈائی کے اندر چھپائے پھرتی تھیں، وہ ان سفید بالوں کو ایکسپوز کرنے میں فخر محسوس کرتی تھیں مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ سعیدہ پر یہ تراشیدہ گرے بال بہت جچتے تھے۔ قیمتی کالی شال ایک شانے پر ڈالے گرے لباس میں ملبوس وہ واقعی گریس فل لگ رہی تھی۔ اس کے کانوں میں چھوٹے چھوٹے ہیرے جڑے آویزے تھے، وہ بہت زیادہ جیولری استعمال نہیں کرتی تھی۔ صرف کان کا ہلکا پھلکا زیور، ہاتھوں میں ایک دو چوڑی اور دائیں ہاتھ کی پہلی انگلی میں زمرد جڑی انگوٹھی اس کی شناخت تھی۔ وہ میک اپ بھی بہت ہلکا کرتی تھی، اتنا ہلکا جو اس کے چہرے پر بڑھتی جھریوں کو چھپانے کے لیے بھی ناکافی ہوتا۔ مگر اس سارے ہی میں اس کی شخصیت دلکش نظر آتی۔ اتنی دلکش کہ اس کا مخاطب اس سے گفتگو کرتے ہوئے گھڑی اور وقت کا ذکر بھول جاتا۔ شاید اس میں اس کے فن گفتگو سے ماہر ہونے کا بھی دخل تھا۔ سعیدہ ذہین تھی، باعلم تھی اور واقفان حالات میں سے تھی۔ بائیس تئیس سالہ سیاسی زندگی کے دوران اس کے تعلقات کا دائرہ اتنا وسیع ہو چکا تھا کہ بہت سی چیزیں اس کے لیے ناممکنات میں سے نہیں رہی تھیں۔

اس کی کسی سیاسی پارٹی یا اتحاد سے وابستگی نہیں تھی۔ مگر وہ واحد خاتون سیاست دان تھی جو صرف اپنی ذات، اپنی شخصیت کی وجہ سے ہر سیاسی سیٹ اپ کی ایک اہم رکن رہتی تھی اور یہ اس کے سیاسی کیریر کی غالباً چوتھی عبوری حکومت تھی۔ جس میں وہ عبوری وزارت کا قلمدان سنبھالے بیٹھی تھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"اور خود تم سید ابرار الاسلام شاہ!" انہوں نے موقع پا کر خود کو مخاطب کیا۔ "تم خود کیا چیز ہو؟" انہیں محسوس ہوا جیسے وہ خود ہی خود پر طنز کر رہے ہوں۔

"خواتین اپنے شوہروں کے تعارف سے پہچانی جاتی ہیں۔ جبکہ تمہارا خود سے زیادہ تعارف یہ ہے کہ تم سیدہ سعیدہ رحمان کے نصف بہتر ہو، خاموش طبع، الگ تھلگ اور بلا چون وچرا سعیدہ کی ہر بات، ہر فیصلہ تسلیم کرنے والے شوہر۔ حقیقت گو کچھ بھی ہو کم سے کم دنیا کے سامنے تمہارا تعارف تو یہ ہی ہے نا؟"

یکایک انہیں ایسا محسوس ہوا کہ اس ایوان میں لگا ہر آئینہ قہقہہ لگا کر ان کا تمسخر اڑا رہا ہو۔ انہوں نے ہر آئینے سے نظریں چرائیں اور سوچنے، کہانی دہرانے اور اپنی شخصیت کے بخیے ادھیڑنے کا کام موخر کیا اور کالی شیروانی میں ملبوس بانچھیں کانوں تک پھیلائے ایک نئے عبوری وزیر کو مبارکباد دینے میں مصروف ہوئے۔

****

عبوری حکومت تین ماہ کے لیے کام شروع کر چکی تھی۔ سعیدہ کا زیادہ تر وقت اسلام آباد میں گزرتا تھا، ابرار الاسلام گیلانی اپنے حلقے میں الیکشن کی گہما گہمی میں مصروف تھے۔ نہ جانے کیوں اس بار وہ یہ الیکشن اتنی بددلی سے لڑ رہے تھے۔ بارہا ان کا دل چاہا کہ کوئی اور ہوتا جو ان کی جگہ یہ الیکشن لڑتا۔ مگر سعیدہ کا خیال تھا کہ بڑا بھائی ہونے کے ناطے اس خاندانی سیٹ پر صرف ان کا حق تھا۔ وہ تو گزشتہ برس کے بلدیاتی الیکشن میں ضلع کونسل کی سیٹ پر ان کے بھائی کے الیکشن لڑنے پر بھی راضی نہیں تھی مگر وہ قومی اسمبلی ممبر ہوتے ہوئے یہ الیکشن نہیں لڑ سکتے تھے زوّار کے الیکشن لڑنے کا فیصلہ سعیدہ نے طوعاً و کرہاً قبول کیا تھا۔

"تم نے، ہم نے اس سیٹ پر سالہا سال محنت کی ہے۔ اس سیٹ کو محض اس بات پر کہ تمہارا دل نہیں چاہتا کسی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

دوسرے کے حوالے کر دیں۔ نا ممکن۔۔"اس نے کہا تھا۔"ارے ایسی جدی پشتی سیٹوں پر قبضہ رکھنے کے لیے تو کچھ بھی قربانی دینی پڑے، دے دینی چاہیئے۔

تم ایک وقتی موڈ کی خاطر اس سیٹ کو قربان کرنا چاہتے ہو، نا ممکن ابرار، نا ممکن۔ چلو حلقے میں جاؤ اور کام شروع کرو۔"

گو حلقے میں جانا اور کام شروع کرنا سراسر ان کی ذاتی سر دردی تھی۔ مگر سعیدہ کو ان کے سیاسی معاملات میں ٹانگ اڑانے کی عادت تھی۔ بلکہ وہ اس کو اپنا استحقاق سمجھتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ابرار کے حلقے کی مقامی سیاست کی پیچیدگیوں کو وہ ان سے زیادہ سمجھتی ہے۔ جبکہ عام لوگوں میں یہ تاثر پایا جاتا تھا کہ ابرار اسلام لوکل سیاست کے ماہر تھے۔ مگر سعیدہ اس خیال سے متفق نہیں تھی، وہ ان کی ہر کامیابی کو اپنا کریڈٹ سمجھتی تھی۔ کیونکہ بقول اس کے ان کی ہر کامیابی میں اس کے مشوروں کا عمل دخل سب سے زیادہ ہوتا ہے۔

انہوں نے سعیدہ کے اس گمان پر بھی کبھی اعتراض نہیں کیا تھا۔ صرف وہ جانتے تھے کہ سعیدہ ان لوگوں میں سے تھی جو اپنے گمانوں کی دنیا میں جیتے ہیں۔ زندگی کے جن معاملات میں وہ خود کو پرفیکٹ سمجھتی تھی اور جن چیزوں میں اس کے خیال میں اس کی رائے حرف آخر ہوتی تھی۔ ابرار نے ان میں دخل اندازی کبھی نہیں کی تھی۔ انہوں نے اپنی بائیس سالہ ازدواجی رفاقت میں اس چیز کا احترام ہر صورت کیا تھا۔

مگر اس بار ان کا دل حلقے میں جانے کو قطعی نہیں چاہ رہا تھا، باہر سے آنے والی اور خفیہ ایجنسیوں کی رپورٹ کے مطابق جس پارٹی کے الیکشن جیت جانے کے امکانات روشن تھے۔ وہ اس پارٹی کے اتحادی تھی۔ بلکہ عام لوگوں میں یہ تاثر پایا جاتا تھا کہ وہ اس پارٹی کے سربراہ کے قریبی ساتھی تھے۔ یہاں یہ بات ایک دلچسپ امر تھی کہ اس تاثر کہ وجہ بھی سعیدہ کے پارٹی لیڈر سے اچھے تعلقات تھے۔ انہوں نے اس بار نجی اور سرکاری

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

محفلوں میں لوگوں کو یہ برملا کہتے سنا تھا کہ اس پارٹی کا ٹکٹ ہی کامیابی کی ضمانت ہو گا۔

"پھر حلقے میں اتنی جلدی جانے کی کیا ضرورت ہے؟"

انہوں نے کئی بار اکتا کر سوچا تھا۔"نہ جانے وہ کون تھا جس نے کہا تھا کہ سیاست ایک نشے کی طرح ہے، جسے لگ جائے مشکل سے ہی پیچھا چھوڑتا ہے۔"

جبکہ ان کا اپنا یہ عالم تھا کہ بظاہر سیاست ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ اور وہ مشہور نعرہ کہ ان کے انتخابی حلقے کے لوگ یعنی ان کے ووٹر ہی ان کے دکھ درد کے ساتھی تھے۔ ان کا دل کبھی بھی اس کام میں نہیں لگا تھا۔

"ملتان سے ان کی انسیت کی وجہ حلقہ انتخاب نہیں ہونا چاہیے تھی۔"وہ اکثر سوچا کرتے تھے۔"ہاں البتہ وہ زمین ان کی جاگیر، ان کی جائیداد، اس کی آبادکاری یا پھر وہ آبائی گدی جس کے تیرھویں پیڑھی میں وہ سجادہ نشین تھے۔ ہاں اس سب سے وہ بے حد مانوس تھے، بہت مرتبہ ان کا دل چاہا کہ وہ اس حوالے سے جانے جائیں مگر ان کی قسمت کہ زندگی میں ایک بار بھی ایسا نہیں ہو سکا۔

"یہ سب بھی بہت اہم ہے مگر ملک میں جو اعلا مرتبہ، وقار اور انفرادیت تم کو حاصل ہے ابرار! یہ سب تو اس کے لوازمات ہیں۔"سعیدہ نے صرف ایک بار ان کی بیزاری کو محسوس کرتے ہوئے سرزنش کرتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ خاص پس منظر نہ ہو تو یہ انفرادیت قطعی حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ کیا ملک میں اور سیاستدان نہیں ہیں۔ اعلا تعلیم یافتہ، بزنس مین بلکہ ٹائیکونز، مگر جو اہمیت خاندانی پس منظر اور حسب نسب کو حاصل ہے وہ یہ مزید دو صدیوں تک حاصل نہیں کر سکتے۔ جس خاندانی پس منظر کے سمبل کا لیبل حاصل کرنے کے لیے یہ اب جدوجہد کر رہے ہیں، وہ ہمارے بزرگ عرصہ ہوا حاصل کر کے ہمیں سونپ گئے ہیں، ارے ہم تو وارث ہیں اس میراث کے۔ ہم نے اس کو ایک قدم اور آگے بڑھایا پھیلایا ہے۔ ہم جیسے تو دوسرے ہو ہی نہیں سکتے۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

سعیدہ کی یہ بات ایک لحاظ سے درست ہی تھی۔اس خاندانی میراث کے حامل لوگ ہی تو اس ملک کی سیاستوں میں حکومتوں میں پشت ہاپشت، نسل در نسل کارفرما رہے تھے۔حالات کیسے بھی ہوں، حکومت کی نوعیت کسی قسم کی بھی ہو۔جاگیر دار، گدی نشین، وڈیرے ایک ہی جیسے چہرے، ایک سے بیانات اور ایک سے مقامات لیے ہر نئے سیٹ اپ میں نو بہ نو اور تروتازہ رہتے تھے۔

"اور اب تو کیا اس روٹین کی عادت سی نہیں ہو گئی؟" ایک روز انہوں نے خود سے سوال کیا تھا۔

ہاں ان کو بحران کا وہ دور یاد تھا جب وہ اصول کی خاطر ایک اعلا حکومتی عہدے سے مستعفی ہو کر ایک آزاد گروپ بنا بیٹھے تھے۔یہ بھی سعیدہ کی پلاننگ تھی شاید اسے اپنے ناگزیر ہونے کا زعم تھا۔

وہ واقعی بحران کا دور تھا اور ان دنوں انہیں یہ بات بری طرح محسوس ہوئی تھی کہ وہ ان خاص پروٹوکول کے کتنے عادی ہو چکے ہیں۔یہ پروٹوکول ان کو ہر دو سورتوں میں ملا کرتا تھا خواہ وہ حکومت میں ہوتے یا حزب اختلاف میں۔اور اس کی بھی اصل وجہ وہ مخصوص پس منظر تھا جس کے وہ حامل تھے۔لیکن وہ نیم فوجی حکومت تھی جس سے وہ ماتھا ٹکرا بیٹھے تھے۔اور بہت دیر بعد تک ان کا وقت اپنا ماتھا سہلانے میں گزر گیا تھا۔

گو بعد میں ان کے اپنے نکتہ رس ذہن نے حالات کو کچھ ایسی پٹختیوں سے نوازا تھا کہ وہ حکومت ختم ہوئی اور نئے الیکشن کا اعلان ہو گیا اور پھر وہی بڑے دن اور بڑی راتیں۔

مگر ابرار اسلام کا ذہن اس سب کے باوجود نجانے کیوں بار بار سوچتا۔"کیا تھا جو ایسا نہ ہوتا۔وہ کچھ اور ہوتے۔کسی اور سیٹ اپ میں، کسی اور حیثیت میں۔"بعض اوقات تو ان کو اپنا وجود قفس میں پھنسے پنچھی جیسا محسوس ہوتا۔

جب وہ کیمبرج سے فارغ ہو کر پاکستان واپس پہنچے تھے تو ان کے خیال میں ان کے پاس دو آپشن تھے، ایک تو سول سروسز میں ایک اعلیٰ عہدہ یا پھر جاگیر، ڈیرے اور گدی سے متعلق معاملات کو سنبھالنا، مگر

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ہاں آتے ہی نہ جانے کیا ہوا تھا کہ سب منصوبہ بندی دھری کی دھری ہی رہ گئی تھی۔

"سچ ہے۔انسان وہی کچھ کرتا ہے اور وہی کچھ بنتا ہے جو اللہ نے لکھا ہوتا ہے۔"پھر وہ قدرے قناعت سے سوچتے اور پھر اسی تندہی سے اپنے کام میں مصروف ہو جاتے۔

مگر اس بار، بار بار کوشش کرنے کے باوجود وہ اس ٹریک پر نہ آ سکے تھے۔

"آج شروع کروں گا، کل شروع کروں گا۔"خود کو اور سعیدہ کو بہلاتے بہلاتے ہی کئی دن گزر چکے تھے اور وہ ابھی تک اسلام آباد میں تھے۔

اور اس روز بھی وہ اپنے ذہن کی یہ جنگ لڑتے لڑتے اپنے تئیں الیکشن سے متعلق اسلام آباد والے آخری کام نمٹا رہے تھے۔جب ان کے پی اے نے ان کو کسی روزنامے کے نمائندے کی آمد کی اطلاع دی تھی۔

"افوہ پھر وہی صحافی!"ان کا دماغ قدرے گھوم گیا۔

"مگر یہ انٹرویو تو طے تھا سر! میں نے اپ سے پوچھ کر ہی ٹائم دیا تھا۔"وہ ان کے مزاج کو دیکھ کر وضاحت دے رہا تھا۔

"نہ جانے کب پوچھا تھا اور نہ جانے کس دھیان میں، میں نے ٹائم دینے کو کہا تھا؟"وہ جھلا کر بولے تھے۔

"ویسے بھی مجھ سے کیا پوچھیں گے صحافی؟"ان کے اندر نے سوال کیا تھا۔"یہ بھی عجیب مصیبت تھی کہ وہ سعیدہ کی وجہ سے نہ چاہتے ہوئے بھی ان رہتے تھے۔حالانکہ ان کے اپنے خیال میں ان میں صحافیوں کے لیے ان ہونے والی کوئی خصوصیت نہیں تھی۔

"سر! الیکشن کے دن ہیں حساس اور اہم۔اور پھر یقیناً اس انٹرویو کی اطلاع اداروں اور ایجنسیز کو ہو گی۔نہ ملنے سے بڑی خبر بن سکتی ہے سر! آج کل کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"پی اے کے ڈرانے پر انہوں نے صحافی کو اندر بلا لیا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"السلام علیکم سر! میں سعدیہ رضوی فرام نیوز ٹوڈے۔" آنے والی نے اندر آکر کھنکتی آواز میں تعارف کروایا۔

"اوہ!" وہ سنبھل کر بیٹھ گئے۔ کیونکہ وہ صنف نازک کی کسی فرد کو انٹرویو یا بیان دینے کی توقع نہیں کر رہے تھے۔

"آیئے بیٹھیے۔" پھر انہوں نے خود کو ایک منجھے ہوئے سیاستدان کے کردار میں ڈھالا اور اپنی مخصوص مسکراہٹ چہرے پر پھیلا کر بولے۔

"شکریہ سر! دراصل میں۔" وہ بیٹھتے ہوئے بولی۔

"میرا خیال ہے کہ انٹرویو قسم کی کوئی چیز تو فی الحال ہو نہیں سکتی۔ ہاں آپ موجودہ حالات کے متعلق سوال کر سکتی ہیں۔" انہوں نے اس کو بولنے سے پہلے ہی آگاہ کرنا مناسب سمجھا۔

"قطعی سر! قطعی۔" اس نے سر ہلا کر کہا۔ "انٹرویو قسم کی کسی چیز پر تو بات ہوئی بھی نہیں تھی سر! مجھے اسی قسم کے چند ایک سوال کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے مگر ایک میری درخواست ہے کہ آپ ان چند بے شک پر تکلف جملوں میں ہی سہی پارٹی لائن نہیں چلائیں گے۔" اس نے چہرے پر آتے بال ہٹاتے ہوئے کہا۔

"مگر کوئی ذاتی بات نہیں۔" انہوں نے انٹر کام کا بٹن دبا کر چائے منگوانے سے پہلے کہا۔

"ذات۔" وہ ایک دم سنجیدگی سے بولی۔ "ذات اور ذاتی کیا فرق ہے ان دونوں میں سر!"

انہوں نے قدرے اچھنبے سے ابرو اٹھا کر اسے دیکھا۔

"جب میں آپ سے چند باتیں کرنے آئی ہوں سر! تو آپ سے مراد آپ کی ذات ہی تو ہے اور ذات سے ذاتی باتیں ہی ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ آپ سے پوچھی جانے والی اکثر باتوں کا تعلق آپ کی ذات سے ہی تو ہو گا۔" وہ یقیناً باتونی تھی اور ذہین بھی۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ صحافی کیسے ہوتی، انہیں اچانک اس کا چہرہ قدرے شناسا سا

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

لگا۔

"میرے خیال میں آپ سے کہیں پہلے ملاقات ہوئی ہے۔" یہ سوال انہوں نے بے اختیار کیا تھا۔

"جی ہاں، کئی بار آپ نے مجھے دیکھا ہو گا۔ میں نے کئی پریس کانفرنسز کور کی ہیں۔ اخبار کے لیے اور کئی اہم ایونٹس بھی۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "مگر ہماری تازہ ترین ملاقات مسز سعیدہ رحمان کے آفس کے باہر ہوئی تھی۔ اس بات کو پندرہ بیس دن گزر چکے ہیں، کمال ہے آپ کو یاد ہے؟"

"ہاں، اتنے ڈھیر سارے چہروں میں کبھی کوئی ایک چہرہ ایسا ضرور نظر آتا ہے جو ایک عرصہ تک یاد رہ جاتا ہے۔" یہ بات انہوں نے دل میں سوچی تھی۔

"یونہی۔ مجھے خیال گزرا تھا؟" انہوں نے یہ بات باآواز بلند کہی تھی۔ "کہیے آپ کو کیا پوچھنا ہے۔"

"جی۔" اس نے اپنے بیگ سے نوٹ بک نکالی اور شروع ہو گئی۔ اس کے سوالات الیکشن اور کرنٹ افیئرز سے متولق تھے۔

"سر! آپ کا کیا خیال ہے۔ یہ جو آپ بار بار الیکشن لڑتے، جیتتے اور پھر حکومت کا حصہ بن جاتے ہیں اس کا کیا فائدہ ہے؟ کوئی فائدہ ہے بھی یا نہیں۔" پھر اس نے اچانک پوچھا تھا۔

"آپ کا کیا خیال ہے؟" انہوں نے ذرا لائٹ موڈ میں مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"میرے خیال میں تو آپ کی، بلکہ آپ کی کیا کسی کی سیاست سے بھی ملک کو کوئی فائدہ اب تک نہیں پہنچا۔ کیونکہ آپ نے کبھی سوچا ہے کہ آپ لوگ کیا ہیں، کون ہیں، کس کے نمائندے ہیں، حکومت میں یا اپوزیشن میں۔ آپ لوگ بے حقیقت نہیں تو اور کیا ہیں؟ وہ فیصلے، وہ قوانین، وہ آئینی ترامیم یا احکامات جن پر آپ لوگ دستخط کرتے ہیں ان میں سے کتنوں کے ساتھ آپ کو اتفاق ہوتا ہے۔ کتنوں کو آپ ان کی روح تک جانتے ہیں، سمجھتے ہیں۔ آپ لوگ تو، میں کہتے ہوئے شرمندگی محسوس کر رہی ہوں سر! کہ آپ لوگ تو کٹھ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

پتلیاں ہیں اور کبھی کبھی وقت پڑے تو بلیک میلرز، دوسروں کی مجبوریوں اور کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے والے۔" اس کے لہجے میں طنز تھا اور شاید حقارت بھی۔

اور یہ ہی تو اس نسل کی سب سے بڑی خامی ہے کہ یہ منہ پھٹ ہونے کو ذہانت اور اعتماد کا نام دیتے ہیں، اس پر طرہ یہ کہ موصوفہ صحافی بھی ہیں، اب ان کا منہ کون بند کرے اور ان سے کوئی کیا کہے۔

"شاید نہیں، بلکہ آپ یقیناً ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" انہوں نے کمال تحمل اور خوش دلی سے اقرار کیا۔ "مگر یہاں کون بلیک میلر نہیں ہے بی بی! کوئی ایسا بھی ہے کیا جو کٹھ پتلی نہیں ہے۔ آپ نے کبھی اپنے پروفیشن پر نظر ڈالی ہے۔ آپ لوگوں کی ساری بریڈ ہی بلیک میلرز سے بھری پڑی ہے اور وہ جو ایجنسیز کے تنخواہ دار ہیں کیا وہ کٹھ پتلیاں نہیں ہیں؟"

"ارے یہ تو میری توقع کے قطعی برعکس ہے سر!" اس نے بے اختیار کہا۔ "آپ سے ذرا سا سچ برداشت نہیں ہوا سر! اور آپ عورتوں کی طرح طعنے دینے پر اتر آئے، ویری سیڈ، چچ چچ۔" وہ تاسف بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"یہ عادت غالباً آپ نے اپنی آنرڈ وائف سے لی ہے، بلکہ ان کے زیر سایہ رہ کر آپ اثر پذیر ہو چکے ہیں۔"

"یہ بھی ذاتیات ہیں میرے خیال میں۔" انہوں نے رسان سے کہا۔ ایک عرصہ ہو گیا تھا ان کو اس قسم کے طنز کو ہینڈل کرتے ہوئے۔ اس لیے ایسی صورتحال میں کیا کرنا چاہیے یہ وہ اچھی طرح جانتے تھے۔

"مگر میں فی الحال یہ بات نہیں کر رہی۔ ویسے مسز سعیدہ رحمان کے چانسز کیسے ہیں سر! وہ سٹنگ ایم این اے تو تھیں نہیں، اب نگران وزیر بنائی گئی ہیں۔ تو کیا خیال ہے سر! اس بار الیکشن وہ جیتیں گی یا کسی وجہ سے اس بار بھی اپنی والدہ کو۔۔۔" وہ اپنی دھن میں کہے جا رہی تھی۔ جب انہوں نے اس کی بات کاٹی تھی۔

"اس وقت ایک سیاستدان کی حیثیت میں آپ مجھ سے بات کر رہی ہیں۔ آپ کو صرف میرے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

مستقبل، میرے چانسز اور میری ترجیحات پر بات کرنا چاہیے۔"

"یقیناً سر!" اس نے سر ہلایا۔ "مگر اور بہت سی باتوں کی طرح یہ بات بھی آف دی ریکارڈ ہے۔"

پھر اس نے ٹیپ ریکارڈ کا بٹن بند کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن سوال یہ ہے آپ کی اپنی ترجیحات کوئی ہیں بھی یا نہیں۔ آپ کس کی ترجیحات پر کام کرتے ہیں، یہ تو آپ کو معلوم ہے اور ساری دنیا بھی واقف ہے، لیکن میں اس بات سے بھی واقف ہوں کہ اس بار آپ کو وہ زبردستی پیش کر رہی ہیں اور آپ ہر دھکے کے بعد دو قدم پیچھے آ جاتے ہیں۔ اسی لیے میں آپ کی ترجیحات پر بات نہیں کر رہی۔ کیونکہ اس پر بات کرنے سے ایک پنڈورا باکس کھل جانے کا خدشہ ہے۔"

"آپ جانتی ہیں کہ آپ ذہین ہیں۔" وہ مزید تحمل کے ساتھ گویا ہوئے۔ "مگر آپ کی ذہانت، قابلیت، علمیت، آگاہی اور شعور کے جھنڈے اٹھائے اس کارزار میں نووارد ہیں۔ آپ کے پاس الفاظ ہیں اور غالباً معلومات بھی۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آج کل صحافت کے ٹرینڈز بدل چکے ہیں۔ انفارمیشن کی دنیا بے حد وسیع ہو چکی ہے۔ مگر یقین جانیے کہ ایسا صرف آپ کی دنیا ہی میں نہیں ہوا ہماری دنیا میں بھی انقلاب آ چکا ہے۔ سوچ، الفاظ اور الفاظ کی پریزنٹیشن (PRESENTATION) بدل چکی ہے۔ سیاستدان تو بی بی! ہر دور میں ہی سیاست کرتے آئے ہیں پھر آج کے دور کے سیاست دان۔" انہوں نے قدرے توقف سے کہا۔ "ایک بات کا میں آپ کو ضرور یقین دلانا چاہوں گا۔"

پھر انہوں نے میز پر دھرا پیپر ویٹ اٹھا کر اسے میز پر گھماتے ہوئے کہا۔ "اور وہ یہ کہ سیاست کے میدان میں مجھ جیسے پرانے بندے پر آپ کے یہ چونکا دینے والے انداز، یہ انکشافانہ گفتگو قطعی اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ ہمارے لیے کچھ بھی نیا نہیں ہوتا۔ برس ہا برس کی محنت، ریاضت اور حالات کے اتار چڑھاؤ سے گزر کر ہم اس سطح پر آ چکے ہوتے ہیں کہ ہر نئی آنے والی صورتحال کے لیے ہم پہلے سے تیار ہوتے ہیں۔ اس کو آپ ذہنی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اور جسمانی تربیت کا ماحول بھی کہہ سکتی ہیں۔"

"میری ترجیحات کیا ہیں؟" انہوں نے دیکھا کہ وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھی تو ہاتھ کے اشارے سے اسے چپ کراتے ہوئے کہا۔ "یا یہ کہ میں کس کی ترجیحات پر کام کرتا ہوں۔ دنیا کو یا آپ کو کیا نظر آتا ہے۔ یہ آپ کا اور دنیا کا ہیڈک ہے۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ جو میں ہوں اس کو مجھ سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔ دو قدم آگے جانے اور پھر بدک کر دو قدم پیچھے جانے کے عمل میں حقیقتاً گون سا فیکٹر کار فرما ہے۔ یہ بھی مجھ سے زیادہ کون جان سکتا ہے اور اگر حقیقت جان لینے کی خواہش ہے تو پھر اپنی سوکالڈ پریوڈو خود ساختہ اسٹوریز کے بل پر وجود میں آنے والی علمیت اور ذہانت سے نہیں اپنے حقیقی ذہن اور اس ذہن کے استعمال سے وجود میں آنے والے علم سے استفادہ حاصل کرنے کی کوشش کیا کیجیئے۔ جب ہی جا کر آپ یہ میدان مار سکیں گی۔"

وہ دیکھ رہے تھے کہ ان کی اس غیر متوقع طویل گفتگو نے ان کی مخاطب کو تقریباً بھونچکا کر دیا تھا۔ کافی دیر بعد وہ اپنی اس جامد کیفیت سے باہر نکلی تھی، اور خاموشی سے اپنی چیزیں سمیٹنے لگی تھی۔ سب چیزیں سمیٹ کر اپنے بیگ میں ڈال کر بیگ کندھے پر لٹکا کر اس نے غور سے انہیں دیکھا۔

"آپ کی نصیحت آموز گفتگو کا بے حد شکریہ سر! یہ تو آپ کی عزت افزائی ہے کہ آپ نے مجھ جیسی نو آموز سے اتنی طویل گفتگو فرمائی۔ آپ کے میدان میں موجود دیگر بہت سے سیاستدانوں کے سلسلے میں تو یہ نصیحت بہت کار آمد ہو سکتی ہے۔ مگر آپ کو میں ایک بات کا یقین دلا دوں کہ آپ کے سلسلے میں ہر گز نہیں۔ میں نے جو گفتگو آپ سے کی، سیاستدانوں کی اس مشروم مز گروتھ میں سے ڈھونڈ کر جو آپ کو انٹرویو کے لیے چنا تھا تو اس کے لیے میں اپنی

سوکالڈ پریوڈو اسٹوریز پر انحصار کر کے آپ تک نہیں آئی تھی۔ میری انفارمیشن کے سلسلے کہیں اور تھے سر! اور میں ان پر انحصار کر کے آئی تھی۔ آپ آج کی سیاست میں بہت سے دوسرے لوگوں کے لیے سعیدہ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

رحمان کے حوالے سے خصوصاً اور خود اپنے حوالے سے عموماً جانے جاتے ہوں گے سر! لیکن میرے لیے آپ کا ایک اور حوالہ بہت معتبر ہے سر! اسی حوالے کے ذریعے سے میں آپ کی زندگی اور شخصیت کے کچھ پہلوؤں سے واقف ہوں جن کے متعلق کوئی تیسرا نہیں جانتا۔ اسی شخصیت کے حوالے سے میں دوسرے (اندر تک) جاننا کہا جا skin deep جرنلسٹس کی نسبت آپ کے بارے میں اتنا جانتی ہوں، جتنا جاننے کو سکتا ہے۔" انہوں نے دیکھا وہ مسکراتے ہوئے اپنی بات کہہ رہی تھی۔ انہوں نے نہ سمجھنے کے سے انداز میں اسے دیکھا اور پھر اپنا چشمہ درست کیا۔

"میں آج کی مسز تہنیت گیلانی اور کل کی صاحبزادی تہنیت گردیزی کی بات کر رہی ہوں سر!"

پھر اس نے گویا کوئی ایٹمی دھماکا کیا۔ کم از کم ابرار اسلام کو تو ایسا ہی لگا۔

"افوہ یہ صحافی، یہ صحافت ہیل ود آل دس انٹر نیٹس اینڈ کمپیوٹرائزڈ انفارمیٹیو ٹیکنالوجیز۔

)Computerized informative technologies"(

کافی دیر بعد قدرے حواسوں میں آ کر جب انہوں نے دیکھا کہ وہ لڑکی جوان سے چند باتیں کرنے آئی تھی، دھماکے کر کے جا چکی تھی تو انہوں نے بھنا کر سوچا۔

"مگر کیا کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی رسائی آپ کے دل اور دماغ تک بھی ہے۔" پھر انہوں نے سوچا۔ "دل اور دماغ تک نہ سہی مگر ماضی کی کتابوں میں دفن گزشتہ زندگیوں تک تو یقیناً ہے۔" پھر انہوں نے خود ہی اپنے آپ کو جواب دیا۔

"ارے تو گویا سیاست میں اس غیر ارادی اور غیر فطری آمد کی سزا اب اتنے عرصے کے بعد کیا اس رنگ میں بھی ملے گی کہ ایک وہ واقعہ جس کی دنیا میں، میں سانس لیتا ہوں، جس کے رنگ میں، میں زندگی گزارتا ہوں، جس کی چھاؤں میں تھک جانے پر ذرا سا ستا لیتا ہوں۔ اب اس گھناؤنی قسم کی صحافت کا پیٹ بھرے گا،

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اسکینڈلائز ہوتا پھرے گا۔ محفلوں میں زیر بحث آئے گا، سینٹر اسٹوریز کی نذر ہو گا۔ افوہ یہ بلیک میلنگ ٹیکٹکس۔۔ خدا غارت کرے اس صحافتی کلچر کو۔ آئی جسٹ ہیٹ اٹ۔ اگر میرے لیے ممکن ہوتا تو میں ان سب کو لائن میں لگا کر گولی مار دیتا۔"

اس صبح کی رات انہوں نے انتہائی بے چینی کے عالم میں چکر لگاتے اور سوچتے گزاری۔ اس طویل سیاسی زندگی میں ان کو بہت سارے بحرانوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ بہت سارے اہم فیصلے کرنے پڑے تھے مگر ان وقتوں میں بھی یہ بے چینی، یہ بے کلی ان کے ساتھ نہیں ہوا کرتی تھی۔

"تہنیت، تہنیت! تم تو میری زندگی کا سب سے گہرا راز تھیں۔ تم کہاں کیسے اور کیوں افشا ہو گئیں؟" پھر انہوں نے ایک غیر موجود ہستی کو مخاطب کرتے ہوئے سوچا۔

"دکھ پریشانی مجھے اسکینڈلز اور کہانیوں کی نہیں۔ دکھ تو مجھے تمہارے ایکسپوز (ظاہر ہونے) کا ہے۔ تم تو وہ وعدہ تھیں تہنیت! جس کو میں نے اتنے سال پوری ایمانداری کے ساتھ نبھایا ہے۔ نہ جانے کیسے اور کس رنگ میں اب تم کو ایکسپوز کیا جانے والا ہے۔" وہ مسلسل اس غیر موجود ہستی سے مخاطب تھے۔

"مگر کیسے کب کہاں تمہارا سراغ کسی کو ملا؟" پھر انہوں نے کوئی سترھویں دفعہ سوچا۔ "میں نے تو کبھی کوئی ایسا سراغ نہیں چھوڑا۔ جہاں سے جھانک کر اندر تمہارا چہرہ دیکھا جا سکے۔ تمہاری موجودگی کا احساس کیا جا سکے، یہ لوگ کہاں کہاں جھانکتے پھرتے ہیں۔ کہاں کہاں کس طرح کی سرجری کرتے ہیں، کیسے، کیوں؟" انہوں نے جھلا کر ہاتھ میز پر مارتے ہوئے سوچا۔

"اور میں تو کوئی ایسا فرنٹ لائن سیاستدان ہوں بھی نہیں۔ مجھے تو بوقت ضرورت فرنٹ پر لایا جاتا ہے، نیشنل تو نہیں۔ میں تو لوکل سطح پر جوڑ توڑ کا ماہر گردانا جاتا ہوں اور اب تو ایک عمر ایک انتہائی شریفانہ راضی بہ رضا امیج کے ساتھ گزر گئی۔ اب کسی کو یہ نامحسوس سے قصے ڈھونڈنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"کیا ہو گا۔ اس کے بعد کیا ہو گا۔ تم کو، تمہارے نام کو کس صورت استعمال کیا جا سکتا ہے۔" پھر انہوں نے سر اٹھا کر سوچا۔ "اس کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ اوہ سعیدہ! تمہارے اٹھائے ہوئے طوفانوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے مجھے کن کن حالات سے گزرنا ہو گا۔" وہ جھلائے اور بھناتے ہوئے نہ جانے کیا کیا سوچ رہے تھے۔

"تمہارے ساتھ اس نامحسوس تعلق کا تو تمام عمر کسی کو پتا نہیں چلا۔ اب آ کر اس لڑکی نے کہاں سے۔۔ وہ لڑکی، ہاں وہ لڑکی۔" پھر جیسے وہ کسی نکتے پر پہنچے۔ "کیا نام ہے اس لڑکی کا۔ کیا بائیو ڈیٹا ہے اور کیا اس کے ویر اباؤٹس ہیں؟"

انہوں نے اپنے پی اے کو کال کیا۔ رات کے اس پہر میں یہ کال الیکشن کے دنوں میں غیر متوقع نہیں تھی اور پی اے قطعی گھبرایا ہوا نہیں تھا۔

"آج جو لڑکی میرا انٹرویو کرنے آئی تھی۔ کون تھی، اس کا نام کیا ہے؟" انہوں نے بغیر کسی تفصیلی اشارے کے بات کی۔

"روزنامہ نیوز ٹوڈے کی اسپیشل نیوز رپورٹر سعدیہ رضوی۔ فرائیڈے میگزین میں ان سائیٹ آؤٹ کے نام سے ایک کالم بھی لکھا کرتی ہے۔" سلطان نے اطمینان سے بتایا۔

"اس کے علاوہ۔ کون ہے اس کی فیملی، اس کے پیرنٹس؟" یہ سوال سلطان کے لیے غیر متوقع تھا۔ وہ گزشتہ بارہ سالوں سے سید ابرار اسلام کا پی اے تھا اور ان بارہ سالوں میں انہوں نے ذاتی طور پر کسی شخص کی شخصیت کے اتنے ذاتی پہلوؤں کے بارے میں تحقیق نہیں کی تھی۔

"صبح بارہ بجے تک۔" اس نے اپنے چونکنے کی خبر ان کو پھر بھی نہیں ہونے دی۔ "میرا مطلب ہے صبح بارہ بجے تک تمام معلومات آپ تک پہنچ جائیں گی۔"

"مگر صبح تو مجھے ملتان پہنچنا ہے ہر صورت۔" انہوں نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"سر! ملتان میں ہی یہ معلومات آپ تک پہنچ جائیں گی۔"

"مگر ان باتوں کا کوئی فائدہ وہاں کیا ہو سکتا ہے؟"

انہوں نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا، سلطان نے نہ سمجھنے کے سے انداز میں دیکھا۔

"اور اگر میں نہیں گیا تو سعیدہ۔" پھر ان کو دوسرا خیال آیا۔ "کیا ابھی کہیں سے سلطان! صبح میرے روانہ ہونے سے پہلے ہی۔ میرا مطلب ہے۔" انہوں نے بے چینی سے کہا۔

"ٹھیک ہے سر! ڈونٹ وری سر!" سلطان نے مؤدبانہ انداز میں کہا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

****

چنانچہ اگلے دن کی فلائٹ پر سعدیہ رضوی کے بارے میں تمام معلومات ان کی ذاتی ڈائری میں بند تھیں۔ سعدیہ رضوی۔ والد سید سبط حسن رضوی ملٹی نیشنل فارماسوٹیکل کمپنی میں ڈپٹی ڈائریکٹر۔ والدہ نگین رضوی ایک اعلا درجے کے گرائمر اسکول کی پرنسپل اور ایک این جی او کی سرگرم رکن۔ بھائی علمدار رضوی اسٹریلیا میں مقیم پاکستانی سرجن اور ایک بڑی بہن تانیہ رضوی ایک پرائیویٹ پروڈکشن کمپنی سے منسلک ڈرامہ ڈائریکٹر اس پرائیویٹ پروڈکشن کا مالک سعدیہ رضوی کا بہنوئی۔ والد کا تعلق جہلم سے تھا اور والدہ کا اٹک سے ۔بظاہر کوئی چین ایسی نہیں ملتی جو کہیں سے چل کر تہنیت سے جا ملتی ہو۔ سعدیہ رضوی کی فیملی سے ہٹ کر اس کے اسکول کالج اور اخبار سے متعلق احباب میں بھی کہیں کوئی ذکر ایسا نہیں ملتا تھا کہ جس کا تعلق

تہنیت سے جوڑا جا سکتا تھا۔

ملتان میں الیکشن کی تھکا دینے والی مصروفیات تھیں۔ ان کے گھر کے لوگ، باہر دوست احباب، ان کے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ووٹرز، دھڑوں کے سربراہ، کچھ دے کچھ لے قسم کے بلیک میلرز، مریدین۔ وہ ادھی سے زیادہ شب گزر جانے کے باوجود بے چین، افسردہ اور مضطرب دل کے ساتھ ان مصروفیات میں مصروف رہے۔

ان کا دھیان نہ جانے کیوں لاشعوری طور پر سعدیہ رضوی اور اس کے سوالات کی طرف رہا۔ وہ اس دور کی صحافت کے طور طریقوں سے بخوبی واقف تھے۔ صحافت کیا زیادہ تر تو بلیک میلنگ تھی۔ اخبارات کی مشروم گروتھ نے بازی لے جانے کے خبط میں ہر ایک کو مبتلا کر رکھا تھا اور وہ تو تھا بھی الیکشن کا زمانہ جس میں کسی طرف تو سیاستدانوں کے بخیے ادھیڑے جا رہے تھے اور کہیں ان کے قصیدوں پر مبنی مضامین ٹھیکے پر لکھے جاتے تھے۔ دن میں کوئی اخبار کسی سیاستدان کے خفیہ اثاثوں کی تفصیل شائع کرتا تو شام کو کوئی دوسرا اخبار اس کی مدح میں مصروف نظر آتا۔ ایسے میں ایک بار بھی یہ بات ان کے دھیان سے نہیں نکلی کہ کون جانے اب ان کے یا سعیدہ کے سیاسی قد کاٹھ کی ڈاؤن سائزنگ کی خاطر یہ لڑکی سعدیہ رضوی کیا قیامت ڈھائے۔ ایک دو بار ان کا دل چاہا کہ اس نئی سردردی سے سعیدہ کو آگاہ کریں، مگر یہ معاملہ تہنیت کا تھا، جس کا کسی بھی سلسلے میں سعیدہ کے سامنے ذکر ایک نیا ایشو کھڑا کر دینے کے مترادف تھا۔

"ڈیلی نیوز ٹوڈے کا پرچہ پریس میں جانے سے پہلے میٹر پر نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔" پھر انہوں نے سلطان کو ہدایات دیں۔

"پریس کے ساتھ تعلقات کو پہلے سے بھی زیادہ خوشگوار بنانے کی کوشش کرو۔"

یہ ان کی دوسری ہدایت تھی۔ انہوں نے خود سے کبھی بھی فرنٹ پر آ کر پریس سے اچھے تعلقات بنانے کی) کے ساتھ ان کے ذاتی دوستانہ High ups سعی نہیں کی تھی۔ ہاں، کئی اخبارات کے مالکان اور ہائی اپس(تعلقات ضرور تھے مگر ان تعلقات کو انہوں نے کبھی بھی امیج بلڈنگ (امیج بنانے) کے لیے استعمال نہیں کیا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"اور اب یہ نیوز ٹوڈے نے۔" بہت سی باتیں سوچتے ہوئے اخبارات کے صفحے پلٹتے پلٹتے انہوں نے بھنا کر سوچا۔ "یہ نام اور اس کا ہوا ان کے اعصاب پر مسلسل سوار رہنے لگا تھا۔"

وہ اپنے کلین اینڈ پرفیکٹ جینٹلمین امیج پر میڈیا بلیک میلنگ کا کوئی چھینٹا برداشت کرنے کی کوشش بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔

"لیکن کیا کہانی بنائی جاسکتی ہے۔" پھر ایک روز انہوں نے اس مسئلے پر مسلسل سوچتے ہوئے ذہن کو آرام دینے کی خاطر سوچا۔ "کیا تھا میرا اور تہنیت کا تعلق، جو اگر کسی کو بھنک پڑ ہی گئی ہے تو کوئی اس پر کسی قسم کی خوفناک عمارت کھڑی کرلے گا۔ ان کے ذہن میں وہ مختصر سا معصوم مگر جاندار تعلق تازہ ہو گیا۔

وہ برسوں پہلے کی بات تھی جب وہ کیمبرج جانے سے پہلے فارغ تھے اور زیادہ تر شکار اور گھڑ سواری میں مشغول رہتے تھے، نوجوان ابرار سلام، جو عمرانیات یا ادب میں کوئی ڈگری لے کر متعلقہ میدان میں کوئی کارنامہ قسم کا کام سرانجام دینا چاہتا تھا۔ اپنے طبقے کی روایات کے مطابق انہیں دنیا کی کسی اعلا درسگاہ سے پڑھنا لازم تھا اور انہیں سب جائزہ لے کر یہ خیال گزرا تھا کہ کیمبرج جیسا تعلیمی ماحول انہیں کہیں اور نہیں ملے گا۔

یہ ان ہی دنوں کی بات تھی جب وہ سالوں بعد اوکاڑہ گئے تھے۔ جہاں خالہ سائرہ، پیر ظاہر شاہ صاحب کی بیوی، بیٹے کی گدی نشیشنی کے پردے میں خود نہایت طمطراق سے عمل دار تھیں۔ وہ عرصے کے بعد اپنی خالہ سے ملنے گئے تھے۔ اور اپنی جاگیرداری اور گدی سے باہر انہیں خالہ سائرہ کے یہاں کا ماحول پسند آیا تھا۔ خصوصاً ان کے مالٹے کے باغات وہ خالہ سائرہ کے چھوٹے بیٹے معظم علی شاہ کے ساتھ مردانے میں رہتے تھے اور اندر حویلی بہت کم جاتے تھے اور وہیں پر ایک دو بار انہوں نے خالہ سائرہ کی بیٹی تہنیت فاطمہ کو دیکھا تھا۔

نازک سراپے اور لمبے بالوں والی تہنیت فاطمہ ان کے سامنے جب بھی آئی سر پر بڑا سا دوپٹہ اوڑھے اور نظریں جھکائے ہوئے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"ارے یہ تہنیت ہے؟" پہلی بار تو اسے دیکھ کر وہ حیرت سے بولے تھے۔ ان کے ذہن میں وہ چھوٹی سی بچی تھی جو ایک بار خالہ سائرہ کے ساتھ کچھ عرصہ پہلے ملتان آئی تھی اور جو ذرا ذرا سی بات پر برا مان کر رونے لگ جایا کرتی تھی اور چھوٹی سی چیز پر فوراً من بھی جایا کرتی تھی۔

"کمال ہے بھئی بڑی جلدی بڑی ہوئیں تم۔" انہوں نے کہا تھا۔

وہ شرمائی شرمائی اور خاموش خاموش سی ہی رہی۔ مگر پھر وہ محرم کا پہلا عشرہ تھا جب اندر حویلی کی بیٹھک میں بیٹھے انہیں اندر زنان خانے سے خواتین کی مجلس سے آتی آواز نے چونکایا، کوئی بہت پرسوز آواز میں نوحہ امام پڑھ رہا تھا۔

کہ ختم سخن محو دعا ہو گئے شبیر
پھر نعرہ زناں محو وفا ہو گئے شبیر
قربان راہ صدق و صفا ہو گئے شبیر
خیموں میں تھا کہرام، جدا ہو گئے شبیر
مرکب پہ تن پاک تھا اور خاک پہ سر تھا
اس خاک تلے جنت الفردوس کا گھر تھا

آواز میں اس قدر سوز اور اداسی تھی۔ اتنے جذب کے ساتھ پڑھا گیا نوحہ تھا کہ بے اختیار بیٹھک میں بیٹھے ابرار سلام کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"یہ کس کی آواز ہے معظم؟" انہوں نے معظم شاہ سے پوچھا تھا۔

"تہنیت کی۔" معظم خود بھی آواز کے سوز کے اثر میں تھا۔ آہستہ آواز میں بولا۔

"تہنیت کے ذکر اور نوحہ خوانی کے یہاں سب بے حد مداح ہیں، چچا مرحوم فرمائش کر کے نوحے اور مرثیے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

سنا کرتے تھے۔ "معظم بتا رہا تھا۔ اور جوں جوں دن گزرتے رہے ابرار نے دیکھا کہ جس دھوم کی عزہ داری تہنیت کے زیر انتظام یہاں برپا تھی۔ اس جیسی انہوں نے پہلے کبھی دیکھی نہ سنی تھی۔ اور یہ بات انہوں نے تہنیت سے کہہ بھی دی تھی اور جواب میں اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں اٹھا کر انہیں دیکھا تھا اور شکریہ کہہ کر اندر چلی گئی تھی۔

خالہ سائرہ کے گھر سے واپس لوٹنے پر وہ اور بہت سی باتوں کے علاوہ تہنیت کی آواز اور خاموش سمٹی سمٹائی شخصیت کا سحر بھی ساتھ لے کر لوٹے تھے اور اسی سال لیلیٰ آپا کی شادی میں ان کا پورے پاکستان میں بکھرا خاندان جمع ہوا تھا۔ سائرہ خالہ جو بیاہ کر اوکاڑہ گئی تھیں، صفیہ خالہ جو بیاہ کر سندھ کے ایک روحانی خاندان کی بہو بنی تھیں۔ اور خالہ رشیدہ جو خانیوال بیاہی گئی تھیں، تینوں ماموں، پھوپھیاں اور چچا، یہ مختلف جاگیرداروں اور گدی نشینوں کا اجتماع تھا، جن کی ساری کی ساری نوجوان نسل اب اعلا تعلیم حاصل کر رہی تھی۔ سخت پردہ نشین لڑکیاں بھی یونیورسٹیوں میں جاتی تھیں اور جدید فیشن کرتی تھیں، پرانی نسل سیاست کے میدان کی گرد بن چکی تھی اور آنے والی نسل داؤ پیچ سیکھنے میں مصروف تھی، وہاں پر سعیدہ بھی آئی تھی جو رشیدہ خالہ اور ساجد چچا کی اکلوتی اولاد تھی، ساجد چچا ابرار کے والد کے کزن تھے اور خانیوال کے پرانے جاگیردار تھے۔ ان کی گدی بہت بڑی تھی اور اس وقت کی سیاست میں ان کا بڑا نام تھا، وہ حکومت وقت کے دست راست سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے اپنی اکلوتی اولاد سعیدہ کو بڑے ناز و نعم میں پالا تھا۔ وہ ہنر اور جوہر جو وہ اگران کا کوئی بیٹا ہوتا اور وہ اس میں دیکھنا چاہتے، انہوں نے سعیدہ کی ذات میں جمع کر دیے تھے۔ سعیدہ لندن سے ہائی اسکول پاس کرنے کے بعد ان دنوں اٹلی کے کسی آرٹ اسکول میں پڑھ رہی تھی۔ اور چھٹیوں پر آئی ہوئی تھی۔ شادی میں اس کے لڑکوں والے حلیے اور لڑکوں ہی سے اعتماد اور بولڈ نیس پر خاندان کی تقریباً تمام ہی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

خواتین نے حیرت کا اظہار کیا تھا۔

"یہ وہ خاندان ہے جس کی بیبیاں رات کے اندھیرے میں پالکیوں کے پردے گرا کر سفر کیا کرتی تھیں۔"

امی کی پھپھو نے چچا ساجد کی فیملی کے بارے میں رائے زنی کی تھی۔

"وہ کہتے ہیں کہ میری جائیداد، میری گدی اور میری سیاست کی وارث سعیدہ ہے، وارثوں میں وراثت کو نبھانے والی خصوصیات ہونا چاہئیں، جب ہی میں سعیدہ کو ایسا بنا رہا ہوں جیسے کوئی میرا بیٹا ہوتا تو بناتا۔"

رشیدہ خالہ نے جواب دیا تھا۔ مگر ان تمام چہ مگوئیوں اور سوالات و جوابات کے دوران ابرار کی آنکھوں نے صرف تہنیت کو کھوجا تھا اور اس کا تعاقب کیا تھا۔ وہ ویسی ہی تھی، خاموش، پیچھے پیچھے معصوم مسکراہٹ کے ساتھ۔

"اب تو خیر سے ابرار کے جانے کے دن قریب آ گئے۔" ایک روز جب امی نے کہا تو ابرار نے دیکھا کہ تہنیت کی آنکھوں میں لمحہ بھر کے لیے افسردگی کا سایہ اترا تھا۔

اور اسی شام جب زنان خانے میں ڈھولک پر تھاپ اپنے پورے زور سے پڑ رہی تھی، مہندی کے تھالوں پر موم بتیاں جلاتی تہنیت سے ابرار سلام نے کہا تھا۔

"جا تو رہا ہوں مگر میری واپسی کا انتظار ضرور کرنا تہنیت! اور مجھے یقین ہے کہ تم ایسا کرو گی۔"

عقب سے آتی آواز سے وہ چونکی تھی اور پلٹ کر دیکھا تھا پھر مسکراتی آنکھوں کے ساتھ جواب دیا تھا۔

""کون جانے انتظار کے سال کتنے طویل ہیں مگر میں طوالت کی ضرب و تقسیم میں نہیں پڑوں گی اس لیے کہ مجھے یقین ہے کہ انتظار کے اس وقت کو ایک دن ختم ہونا ہی ہے۔"

یہ مختصر سا یقین اور مختصر سا وعدہ برسوں تک دوری کے باوجود دلوں کی قربت کی علامت بنا رہا تھا۔ تہنیت کے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

نام اور اس کے وجود کے تصور کا سحر دنیائے رنگ و بو میں مختلف مصروفیات میں مشغول ابرار سلام کے گرد احاطہ کیے رہا تھا۔ گھر سے آنے والے خطوط اور لنکاسٹر میں مقیم صبیحہ آپا کے ذریعے انہیں خاندانی حالات کا پتا چلتا رہتا تھا، اور تمام باتوں میں خاص بات یہ تھی کہ گریجویشن مکمل ہونے کے بعد بھی تہنیت اپنے لیے آنے والے تمام رشتوں کے لیے انکار کیے جا رہی تھی۔ وہ آگے پڑھنا چاہتی تھی جس کی اجازت سائرہ خالہ کی سسرالی روایات دے نہیں سکتی تھیں۔ صبیحہ آپا تہنیت کی بڑی بہن تھیں اور اس صورتحال پر پریشانی کی وجہ سے کئی بار پاکستان چکر لگا چکی تھیں، اور ایک بار جب وہ پاکستان سے واپسی پر امی کا بھجوایا ہوا پیکٹ انہیں دے کر گئیں تو امی کے بھجوائے کرتوں کے درمیان انہیں وہ کاغذ ملا جو اب تک ان کے پاس محفوظ تھا۔

"طوالت کی ضرب و تقسیم تو اب تک شروع نہیں ہوئی لیکن وقت کی لو ایسی آنچ دینے لگی ہے جس کی تپش سے محفوظ رہنے میں دشواری ہے۔"

کاغذ پر لکھے الفاظ کو ڈی کوڈ کرنے کی انہیں ضرورت نہیں تھی۔ امی کا پارسل خالہ سائرہ کے پاس آیا تو موقع غنیمت جانتے ہوئے اس میں یہ کاغذ کس نے کیوں دبایا ہوگا یہ وہ بخوبی جانتے تھے مگر یہ ان زمانوں کی بات تھی جب وہ عمومی کنزرویٹو ماحول میں ایک لبرل خاندان سے تعلق رکھنے کے باوجود روایات کی پاسداری کرنے پر مجبور تھے اور براہ راست کوئی جواب دینا ان کے لیے ناممکن تھا۔

ان ہی دنوں سعیدہ لندن آئی اور چچا ساجد کے قریبی تعلق دار ہونے کی وجہ سے وہاں پر مقیم پاکستانی سفیر کی مہمان بنی، وہیں پر ایک ڈنر پر صبیحہ آپا اور ابرار اور چند دوسرے کزنز جمع ہوئے تھے جب بات تہنیت کی شادی کی چل پڑی تھی۔ صبیحہ آپا کے لیے ان دنوں یہ مسئلہ سب سے بڑا تھا۔

"اوہ تہنیت!" سعیدہ نے اپنے چشمے کو درست کرتے ہوئے کہا۔ "پور گرل، مجھے ہمیشہ اس پر ترس آتا رہا ماحول کی سپریسڈ مخلوق کسی اپنے جیسے دبے ہوئے ماحول میں منتقل ہونے Suppressed ہے، سپریسڈ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

سے کیا یہ بہتر نہیں کہ یوں ہی رہا جائے۔ میرا خیال ہے کہ اسی نظریے کے مطابق وہ شادی نہیں کر رہی، اب ان حالات میں اس قسم کی لڑکی کے لیے کوئی اچھا موقع تو پیدا ہو نہیں سکتا۔"

ابرار کو یاد تھا کہ سعیدہ کی یہ بات صبیحہ آپا کو تو بری لگی تھی ہی، مگر خود وہ جیسے سعیدہ کی اس بات سے بری طرح تلملا گئے تھے، بے اختیار ان کا دل چاہا کہ اپنی اس اعلا تعلیم یافتہ، آزاد خیال، ذہین ماہر فن گفتگو ماڈرن کزن کو ایک گھونسہ رسید کریں۔ مگر وہ صرف غصہ ور نظروں سے اس کے خوبصورت خدوخال اور ذہین آنکھوں کو دیکھ کر رہ گئے۔

"کرنل ساجد رحمان کی یہ بیٹی بہت بڑی جینئس ہے۔ یہ آگے جا کر تاریخی کردار ادا کر سکتی ہے۔"

ساجد چچا کے کورس میٹ ریٹائرڈ کرنل ظہیر ورک نے اس شام اعلان کیا تھا۔ وہ سعیدہ کی شخصیت اور گفتگو سے خاصے متاثر نظر آتے تھے۔ یہ بات آگے چل کر بالکل درست ثابت ہوئی مگر اس شام یہ بات سن کر ابرار صرف ہونہہ کر کے رہ گئے۔

پھر ابرار کی پاکستان واپسی ہوئی، اور یہاں آ کر انہیں معلوم ہوا کہ ساجد چچا سعیدہ کی شادی کے سلسلے میں متفکر تھے۔ جب کہ سعیدہ مسلسل انکار کیے جا رہی تھی۔

"تہنیت تو سپر سیڈ مخلوق تھی مگر تم؟" ان کا دل چاہا کہ یہ بات سن کر اڑتے ہوئے جائیں اور سعیدہ سے پوچھیں۔

مگر وہ بابا جان سے جاگیر کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہے، اور لوکل سیاست کے داؤ پیچ سیکھنے لگے ۔ جب کہ اندرون خانہ ان کی شادی کی باتیں ہو رہی تھیں، وہ اماں کے قریب تھے، اور ان ہی سے تہنیت کے بارے میں بات کرنا چاہتے تھے مگر ان ہی دنوں خالہ رشیدہ کی اچانک آمد ہوئی۔ ابرار نے انہیں کئی بار امی کے سامنے کوئی جذباتی قسم کی گفتگو کرتے اور آنسو بہاتے دیکھا تھا، وہ ان جذباتی مناظر کی وجہ تسمیہ قطعاً سمجھ نہ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

پائے تھے، پھر چچا ساجد کی آمد ہوئی اور وہ بابا جان سے کئی گھنٹے مشغول گفتگو نظر آئے۔ اسی رات انہیں امی کے ذریعے نوید ملی کہ چچا ساجد نے انہیں اپنی فرزندی میں لینے کا اعزاز بخشا ہے۔

"مگر کیوں امی؟ کیسے؟" وہ ٹھنڈے مزاج کے شخص تھے، ان کی اس جذباتی چیخ نما انکوائری پر امی بھی گھبرا گئی تھیں۔

"بیٹا! یہ ان کی خواہش ہے اور سعیدہ کی بھی۔"

"سعیدہ کی۔" انہوں نے چونک کر کہا۔ "اور انہیں اس کی وہ باتیں یاد آ گئیں، جو وہ پوزیشن میرج سسٹم کے بارے میں کرتی رہی تھی، مرد کی غلامی، زندگی پھر کا طوق وغیرہ وغیرہ۔

"دیکھو، تم ساجد بھائی کی مجبوریوں کو نہیں سمجھتے۔ سعیدہ ان کی اکلوتی بیٹی ہے، ان کی واحد وارث بھی وہی ہے جاگیر، گدی اور سیاست کی وارث، اسے خواہ روایات سے کتنا بھی اختلاف ہو ان تینوں چیزوں میں اسے مرد کے سہارے کی ضرورت پڑے گی۔ جاگیر کے معاملات تو جیسے تیسے نبھائے جا سکتے ہیں مگر گدی اور سیاست، مرید ہی ووٹر ہیں۔ اور وہ ایک نالخدا کو بڑا ماننے میں ضرور متامل ہوں گے۔ اور اگر سعیدہ کی شادی نہیں ہوئی تو وراثت کے بہت سارے مسائل پیدا ہو جائیں گے۔"

"مگر میں کیوں؟" وہ کوئی بھی بات ڈھنگ سے سن نہیں پا رہے تھے۔

"ساجد بھائی کا خیال ہے کہ انہوں نے تمام عزیزوں، رشتہ داروں، احباب پر نظر ڈال کر دیکھی ہے۔ سب میں تم ہی سب سے زیادہ مناسب لڑکے معلوم ہوتے ہو ان کو، پھر سعیدہ نے خود بھی تمہارے حق میں فیصلہ دیا ہے۔ اس کا بھی یہی خیال ہے کہ تم اس کے لیے موزوں ترین ہو۔" اماں نجانے کس وجہ سے خوش تھیں۔

"مگر۔۔۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔" انہوں نے فیصلہ کن انداز میں کہنا چاہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"چپ رہو ابرار!۔۔۔ تمہارے بابا فیصلہ کر چکے ہیں، کیا کمی ہے سعیدہ میں، ذہین، پڑھی لکھی، خوش شکل۔"

"مگر اماں! مجھے دیکھیں، میں آپ کا بیٹا ہوں۔ کیا میری سوچ آپ کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔"

"پتا نہیں۔ اہمیت رکھتی ہے یا نہیں مگر یہ طے ہے کہ میری بہن جو خود میرے دروازے پر رشتہ جوڑنے آئی ہے۔ میں اس کو ہرگز انکار نہیں کر سکتی۔"

یوں ان کے نامحسوس، نوخیز اور ان چھوئے جذباتی تعلق کو سعیدہ کی شخصیت اور اس کے فیصلے نے کھا لیا۔ ان کے سارے احتجاج، ان کا سارا شور و غوغا حویلی کے بند کمروں میں گلا گھونٹ کر مار دیا گیا۔

اور اس سال جس محرم کا ان کو بے چینی سے انتظار تھا کیونکہ اس میں سائرہ خالہ بمعہ تہنیت کے اماں کے کہنے پر عزہ داری کے لیے یہاں آنے والی تھیں، وہ محرم اپنے ساتھ ان کے لیے بھی عاشورے کی سی فضا لے کر آیا، ان کے دل پر شام غریباں کا حصار تھا اور خواتین کی مجلس شب عاشورہ پر اندرونی حویلی کے دیوان خانے سے ایک پر درد آواز دور تک پھیل رہی تھی۔

رات آئی ہے شبیر پہ یلغار بلا ہے
ساتھی نہ کوئی یار نہ غم خوار رہا ہے
مونس ہے تو اک درد کی گھنگھور گھٹا ہے
مشفق ہے تو اک دل کے دھڑکنے کی صدا ہے
تنہائی کی، غربت کی پریشانی کی شب ہے
یہ خانہ شبیر کی ویرانی کی شب ہے

باہر سیڑھیوں پر تنہا بیٹھے ابرار کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے، اس آواز کو سننے کے لیے وہ اتنے برس بے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

چین رہے تھے اور جب کان میں پڑی تو یوں کہ الفاظ دل کی حالت سے میل کھا رہے تھے۔

پھر دیوان خانے کے دروازے کی چق اٹھا کر کوئی باہر آیا۔ قدموں کی آہٹ پر ابرار نے مڑ کر دیکھا، سرتاپا سیاہ رنگ میں ملبوس وہ تہنیت فاطمہ تھی، زرد وستا ہوا چہرہ، بھیگی آنکھیں اور کانپتے ہاتھ۔ وہ اٹھ کھڑے ہو گئے۔

"مجھے زندگی سے بہت اچھی توقعات کبھی بھی نہیں رہی تھیں، مگر گمان کی یہ وہ اینٹ گری ہے جس پر میں نے مستقبل کی ساری عمارت کھڑی کر رکھی تھی۔" اس نے بغیر کسی تمہید کے کہا تھا۔

"مگر۔۔۔ اس میں میری کسی رضا کا دخل نہیں ہے۔" انہوں نے کہنا چاہا۔

"میں نے اپنے وعدے کے مطابق انتظار کی طوالت کی ضرب و تقسیم شروع نہیں کی تھی مگر۔۔۔" اس نے ان سنی کرتے ہوئے کہا۔ "مگر دکھ اس بات کا ہے کہ میری ریاضت کا صلہ ایک طرف۔ میرے ساتھ یوں کیوں ہوا، آپ کے ساتھ اگر میں نہیں تو سعیدہ کیوں؟"

اس نے غالباً زندگی میں پہلی بار دانت کچکچائے تھے۔

"سعیدہ نے ہمیشہ مجھے توہین آمیز لہجے میں مخاطب کیا مجھے لیٹ ڈاؤن کیا ہے۔ ایک سے زیادہ مرتبہ میری پسند کی چیز مجھ سے چھینی ہے، خواہ ٹرے میں پڑے کینوؤں میں سے ایک کینو تھا۔ یا کتابوں کے ڈھیر میں سے ایک کتاب، یا بیٹھنے کی جگہ میں سے میری انتخاب کی ہوئی جگہ کیوں نہ تھی۔ اب آپ۔۔۔"

ابرار نے شب عاشور کے زرد چاند کی روشنی میں دیکھا۔ اس کا چہرہ بھیگا ہوا تھا اور سیاہ دوپٹے کے ہالے سے بال نکل کر اس کے بھیگے چہرے پر بکھر رہے تھے۔

"مگر مجھے یقین ہے کہ آپ سعیدہ کے شریک زندگی بن کر بھی اس کی زندگی کا حصہ نہ بن سکیں گے۔ میرے خوابوں کی دنیا کو مسمار کرنے والے آپ اپنے سیٹ اپ میں بالکل بے حقیقت بن کر زندگی گزار دیں گے، لمحوں کی زنجیروں میں جکڑی زندگی کا بیشتر حصہ میرا سایہ آپ کے سر پر رہے گا اور آپ ایک بے کیف، بے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

رنگ، پھیکی زندگی گزارتے رہیں گے۔

سعیدہ نے آپ کو مجھ سے نادانستہ ہی سہی چھین تو لیا ہے، مگر ایک دن میں، وقت کی آواز بن کر اس کے لیے عذاب بن جانے کی دعا اپنے دل میں کرتی رہوں گی۔"

وہ غصے، دکھ اور شاک میں ڈوبی کانپتی آواز کے ساتھ اپنی بات کہہ کر اندر چلی گئی تھی۔ اور ابرار نے سامنے جھاڑیوں میں چمکتے اور بجھتے جگنوؤں کو دیکھتے ہوئے سوچا تھا کہ کیا وہ نامحسوس تعلق اتنا جاندار اور طاقتور تھا کہ اس کے ٹوٹنے نے تہنیت جیسی خاموش طبع لڑکی کو اتنی جذباتی اور منتقمانہ گفتگو کرنے پر مائل کر دیا تھا۔

"اور میں۔۔۔" پھر انہوں نے خود سے سوال کیا تھا۔ "دبو، کمزور۔ ہتھیار پھینک کر ہار مان جانے والا، ایک ہلکا سا احتجاج، ایک بار انکار یا آواز بلند نہ کر سکا اپنی زندگی کے ساتھ سب سے بڑے مذاق پر یوں خاموش رہا جیسے یوں ہونا ہی تھا۔" انہیں خود پر جی بھر کر غصہ آیا مگر یہ حقیقت تھی کہ وہ اپنی فطرت سے مجبور تھے۔ مکمل حاکمانہ خاندانی روایات، جاگیر دارنہ نظام بھی ان کی طبعی فطرت کو نہ بدل سکا تھا وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ تہنیت ان کی زندگی میں آ کر ان کی سوچ کا محور نہ بھی بنی ہوتی تب بھی سعیدہ ان کی ذاتی خواہش کبھی نہ بن سکتی تھی۔ مگر جب یہ وقت آ ہی پڑا تھا تو وہ ماں باپ کی جابرانہ طبیعت کے آگے خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے تھے۔

وہ سعیدہ کا انتخاب بھی اپنی اسی طبیعت اور مزاج کی وجہ سے بنے تھے۔

"جب میرے والد نے مجھ سے خاندان کے کسی بھی لڑکے سے شادی کر لینے کے لیے کہا تو میں نے ابرار کا انتخاب اس لیے کیا کہ میں جانتی تھی کہ میری عادت، مزاج اور طبیعت کو صرف وہی بھگت سکتے ہیں۔"

سعیدہ نے کئی مرتبہ اپنے انٹرویوز میں اس بات کا اعتراف خود بھی کیا تھا مگر ساجد چچا کی خاندان بھر پر چھائی شخصیت اور سعیدہ کی عادت، مزاج اور طبیعت کو بھگت لینے کی صلاحیت رکھنے کی سزا وہ اس وقت سے کاٹ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

رہے تھے جب سے سعیدہ ان کی زندگی میں آئی تھی۔ آنے والا وقت بہت سے نشیب و فراز سے گزرا تھا۔ ساجد چچا کا انتقال اچانک ہوا تھا، سعیدہ نے ان کی وارث کی حیثیت سے ہر میدان کا نظم نسق سنبھالا تھا اور اس کی ذہانت، معاملہ فہمی اور ساجد چچا کی تربیت نے اس پر سے نوآموزی کا لیبل بہت جلد اتار دیا تھا، اس کی شخصیت اتنے مختلف خانوں میں بٹ چکی تھی کہ غالباً خود بھی اسے یہ یاد نہیں رہا تھا کہ وہ اگر یکجا ہوتی تو کیسی ہوتی۔

اپنے علاقے میں وہ جاگیر دارنی اور سیدانی بی بی تھی۔ بڑی چادر کی بکل اوڑھے، نگاہیں نیچی کیے وہ مریدین اور علاقے کے لوگوں کے مسائل سنتی۔ حل کرواتی، امداد دیتی اور نجانے کتنوں کی دعائیں سمیٹتی، اس نے ان گنت انڈسٹریل ہوم، شفاخانے اور ہسپتال وہاں بنوا رکھے تھے۔ دوسری طرف جب وہ علاقے سے کل کر پالشڈ ورلڈ کی طرف نکلتی تو ایک یکسر مختلف شخصیت ہوتی۔

منجھی ہوئی سیاستدان، اتار چڑھاؤ، داؤ پیچ سے واقف، سیاست کے میدان کے نشیب و فراز سے گزری ہوئی، اس کے اندرون و بیرون ملک حکومتیں بنانے اور مٹانے والوں سے ان روٹ قسم کے تعلقات تھے۔

اتنے سالوں میں بار بار وہ اقتدار کے کوریڈورز سے بھی گزری تھی اور اقتدار سے باہر بھی رہی تھی۔ مگر کسی دور میں بھی سیاست میں اس کی اہم حیثیت کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکا تھا یہ حقیقت تھی کہ کیا حکومت وقت، کیا اپوزیشن کے سیاستدان، کیا بیوروکریٹس اور کیا ٹیکنوکریٹس سب کے سب ہی اس کی گفتگو، تقریروں، ذہانت اور معلومات سے خوفزدہ رہتے تھے، اسمبلی کی جب سے وہ ممبر تھی اسمبلی کے ریکارڈ پر اس کی تقریریں مثالی سمجھی جاتی تھیں، اور اس کی تنقید سے سب ہی ڈرتے تھے۔

اس کی سب سے بڑی وجہ سیاست کی سیاہ کاریوں کے درمیان اس کا بظاہر کلین امیج تھا، ایک وہ دور تھا جب سیاست میں کرپشن کا دخل بہت زیادہ نہیں تھا، اگر تھا بھی تو اس کو جانچنے کے پیمانے ایجاد نہیں ہوئے تھے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اس وقت بھی وہ اب جب کہ کرپشن کی کیچڑ نے سب کو لت پت کر رکھا تھا، اب بھی سعیدہ کو شاطر اور ذہین ترین پیمانے بھی کرپٹ ثابت نہیں کر سکتے تھے۔

کرپشن تو کجا اس پر کوئی بے اصولی کا الزام بھی نہیں لگا سکا تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ سعیدہ نے اس وقت بھی جب وہ نوآموز تھی اور اب بھی جب وہ ملک کی سب سے تجربہ کار خاتون سیاستدان کہلائی جاتی تھی، ہر میدان مارا تھا۔

جب کہ دوسری طرف وہ خود تھے، سعیدہ سے شادی کے بعد

جب اس کے جوہر ہر میدان میں کھلنے لگے تو ان کا اپنا امیج جیسے دب کر رہ گیا، وہ اپنی زمین پر رہنا چاہتے تھے، کام کرنا چاہتے تھے مگر سعیدہ ان کو انگلی سے پکڑ کر سیاست کی طرف لے آئی اور تب سے معاملہ چل سو چل تھا۔ لوکل باڈیز کی ممبر شپ سے شروع ہو کر وہ قومی اسمبلی کے رکن بنے۔ وزیر اور مشیر بنتے رہے۔

اصول کی سیاست کے نام پر مختلف ایڈونچرز سعیدہ کے کہنے پر کرتے رہے۔ کہنے کو تو ان کا اپنا بھی بہت نام تھا مگر سعیدہ کی شخصیت کے سائے کے اندر وہ سعیدہ کی شخصیت کو صحیح ہونے کا سرٹیفکیٹ ملنے کی علامت کے طور پر زندگی گزارتے رہے تھے اور گزار رہے تھے۔ یہ تو باہر کی زندگی تھی۔ گھر کے اندر بھی سعیدہ کی شخصیت حاوی تھی۔ بچوں کی تربیت، تعلیم سب اسی طرح ہوتی رہی تھی جیسے وہ چاہتی تھی۔ بڑی بیٹی ثمرہ اور بیٹا سعدان، سعیدہ کے بہت قریب تھے، البتہ چھوٹی بیٹی نمرا غیر متوقع طور پر ان سے اٹیچڈ تھی اور اس میں اس کی اپنی سوچ اور محبت کا دخل تھا۔

خود انہوں نے تو سعیدہ سے شادی کے ایشو پر جو ہتھیار پھینکے تھے تو پھر زندگی کے معاملات میں ان کی اپنی دلچسپی تقریباً ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ گو وہ خود بھی ایک بار جب میدان سیاست میں کود گئے تھے تو پھر انہوں نے اپنی صلاحیتوں کے بل پر کچھ ایسا مقام اس میدان میں بنا رکھا تھا کہ ان کے کلین اینڈ جنٹلمین کے امیج کو اب

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

تک کوئی چیلنج نہیں کر سکا تھا۔

یہ ان کی اور تہنیت کی معصوم ان چھوئی چاہت کی مختصر سی کہانی تھی۔ جس کے بارے میں کسی دوسرے ذی حس کو تو خیر کیا، قریب سے گزرتی ہوا کو بھی علم نہ ہو سکا تھا۔ یہ اور بات کہ ان کی ذاتی زندگی تہنیت کی اس آخری شام کی گفتگو کی عملی تفسیر بنی رہی تھی۔ پھر بھی دل کے اس گوشے کو جہاں انہوں نے اپنی زندگی کا یہ بہت حسین مگر ناکام ترین راز چھپا رکھا تھا۔ خود انہوں نے ایک بار بھی کھول کر نہیں دیکھا تھا اور ایسا انہوں نے دانستہ طور پر کیا تھا۔ اسی لیے وہ اس بات پر انتہا سے زیادہ اپ سیٹ تھے کہ یہ راز ایک قطعی انجانی شخصیت کے سامنے افشا کیسے ہوا۔ وہ کم عمر، متجسس اور کھوج لگاتی آنکھوں والی لڑکی یہ گڑا مردہ کہاں سے اکھیڑ لائی تھی۔ جبکہ سلطان کی لائی معلومات کے مطابق اس کا کوئی بھی ڈانڈا تہنیت سے نہیں ملتا تھا۔ خود سائرہ خالہ کی وفات کے بعد ان کی ننھیالی جائیداد کی وراثت کے مسئلے پر ماموؤں سے تنازعے کے بعد ان کے بچوں نے اپنے ننھیال سے قطع تعلق کر رکھا تھا۔ اور اب وہ لوگ سیاست کے ایوانوں میں بھی اجنبیوں کی طرح ملتے تھے۔ وہ لوگ دانستہ طور پر ان کی اور سعیدہ کی مخالف پارٹی میں شامل ہوئے تھے اور اب تک مخالفانہ سیاست کر رہے تھے۔

ایک بار انہوں نے تہنیت کی شادی کے بارے میں سنا تھا اور یہ خبر بھی سعیدہ نے ہی انہیں سنائی تھی۔ وہ بیاہ کر جھنگ کے کسی گدی نشین خاندان کی بہو بنی تھی۔ انہوں نے خود دانستہ طور پر کبھی اس بات کی کھوج نہیں لگائی تھی۔ وہ اس خوش قسمت شخص کے نام سے بھی واقفیت حاصل نہیں کرنا چاہتے تھے تاکہ اگر کبھی کہیں وہ کسی ڈھنگ سے سامنے آئے تو ان کا ذہن و دل منتشر ہو جائے۔

مگر اب یہ لڑکی۔۔۔۔ اور تہنیت کے بارے میں اس کی معلومات۔ وہ سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہے تھے اور اس سوچ نے ان کی ساری الیکشن مہم بھی خراب کر دی تھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

****

وہ الیکشن انہوں نے پہلے کی نسبت کم مارجن سے جیتا تھا اور سعیدہ اس بات پر خاصی برافروختہ تھی۔ گزشتہ الیکشن میں وہ بھاری مارجن سے جیتے تھے۔ جبکہ سعیدہ کو حکومت وقت کی مخاصمانہ مہم کے تحت غیر اہم اعتراضات کی بنیاد پر الیکشن سے باہر کر دیا گیا تھا۔ اتنے لمبے وقفے کے بعد بھی اس بار سعیدہ کی لیڈ بہت زیادہ تھی اور ابرار کے الیکشن اور اس کے رزلٹ کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ انہوں نے اس بار محنت اور توجہ سے الیکشن مہم نہیں چلائی تھی۔

"اور وہ جو تمہارے انٹرویو پر ریویوز شائع ہوئے تھے کچھ ان کے بارے میں بھی اظہار خیال کرو۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"وہ انٹرویو نہیں تھا، محض مختصر سی گفتگو تھی۔" انہوں نے اکتا کر جواب دیا۔ انہیں خود بھی اس لڑکی سعدیہ رضوی کے الفاظ کے میک اپ پر حیرت ہوئی تھی۔ جس بناوٹ کے ساتھ اس نے اس مختصر سی گفتگو کو اپنی مرضی کے پیرائے میں ڈھالا تھا وہ اگر خود ان کے بارے میں نہ ہوتا تو ضرور داد دیتے۔

سعیدہ کے بارے میں سوال کا جواب کچھ اس طرح سے شائع ہوا تھا۔ "یہ میری ذاتیات میں دخل ہے۔ میں گھریلو زندگی میں سیٹلڈ ہوں یا اپ سیٹ، یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔"

اور وہ کہہ رہی تھی کہ یہ آف دی ریکارڈ باتیں تھیں۔

شیڈول میں Hectic وہ الیکشن کے بعد حکومت بنانے کے دن تھے۔ وہ مجبوراً سعیدہ کے ساتھ اس ہیکٹک

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

مصروف تھے۔

ایک سائیڈ پر رہ کر تیل اور تیل کی دھار دیکھنے کا تاثر دیتے ہوئے اندر ہی اندر اقتدار کے ایوانوں میں نقب لگانے کی مصروفیت یہ سعیدہ کی اسٹریٹیجی تھی۔

ان دنوں وہ دونوں اسلام آباد والے گھر میں مقیم تھے، ایجنسیز کی نگرانی اور تعاقب کے سائے میں۔ اور یہ ان ہی دنوں کی بات تھی جب ایک شام انہوں نے سعیدہ کو فون پر کسی سے تیز آواز میں جھگڑتے دیکھا تھا۔ وہ کسی کو کوئی بات مثالیں دے کر سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھر فون بند کر کے طیش کے عالم میں اسے ٹہلتے دیکھ کر انہوں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں تنگ آچکی ہوں اب صحافیوں سے۔" اس نے جواب میں کہا۔

"آپ بھی تنگ آچکی ہیں۔" ابرار نے قدرے محظوظ ہوتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔" سعیدہ نے ان کے لہجے پر غور کیے بغیر کہا۔ "جانتے ہیں نا کہ ہماری حکومت بننے پر مجھے منسٹری ملے ہی ملے گی۔ ہر اس شخص کے بخیے ادھیڑنے کی کوشش میں ہیں جو متوقع وزیر ہے۔ کبھی سگریٹ نوشی اور دوپٹہ سر پر نہ لینے جیسے تھرڈ کلاس اعتراض اٹھائے جاتے ہیں۔ کبھی لوکل سیاست میں بلیک میلنگ جیسے گھٹیا اعتراضات، اور اب سنا ہے کہ میرے ذاتی اقتصادی معاملات کی روٹس پر ریسرچ ہو رہی ہے۔ میرے اسٹڈ فارمز اور ریسنگ ہارسز کا حساب لگایا جا رہا ہے۔"

وہ غصے میں بول رہی تھی۔

"مگر ادھر بھی میں ہوں۔ میں یہ سب کرنے والوں اور ان کے عزائم کو خوب جانتی ہوں اور میں ان کا وہ حشر کروں گی کہ وہ دوبارہ کبھی ایسا کرنے کی ہمت نہ کر سکیں گے۔"

وہ تنتناتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی تو ابرار نے گہرا سانس لیتے ہوئے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

توجہ ہاتھ میں پکڑے اخبار کی طرف کر لی۔ جس کے مزاحیہ خاکوں والے کالم میں اس صبح ہی سعیدہ کی سگریٹ نوشی اور دوپٹے کو موضوع بنا کر خوب رگیدا گیا تھا۔

اور اس بات کے چند دن بعد ہی حکومت کی تشکیل اور منسٹریز کی فارمیشن کا کام شروع ہوا، سعیدہ کو حسب توقع اس کی پسندیدہ منسٹری دے دی گئی تھی۔ سعیدہ کی خواہش تھی کہ وہ بھی لوکل باڈیز کی منسٹری لے لیں۔ مگر اس بار وہ مکمل طور پر آف دی سین رہنا چاہتے تھے۔

مگر پھر وزیر اعظم کا اصرار تھا، وہ انہیں کابینہ میں کسی طور رکھنا چاہتے تھے اور اندر ہی اندر یہ حیث وبیص چل ہی رہی تھی۔ جب انہیں سلطان نے بتایا تھا کہ نیوز ٹوڈے کی رپورٹر سعدیہ رضوی ان سے ملنا چاہتی ہے۔

"سر! میں نے خود سے اپائنٹمنٹ نہیں دیا لیکن ایک بار آپ کی دلچسپی کو یاد رکھتے ہوئے ریجیکٹ بھی نہیں کیا۔" سلطان کہہ رہا تھا۔ "اور پھر سر!" دوبارہ اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "نیوز ٹوڈے اور چند دوسرے آپ کی وزارت کے موضوع پر آپ اور بیگم صاحبہ حکومت کے ساتھ اخبار اس بات پر بحث کر رہے ہیں کہ کچھ انڈر ہینڈ ڈیل کرنے میں مصروف ہیں۔ آپ نے تو پڑھا ہی ہو گا سر!"

اور وہ جو سعدیہ رضوی کے نام پر اپائنٹمنٹ دے دینے کے بارے میں سوچ رہے تھے، یکایک ان کا موڈ بدل گیا۔

"اگر یہ بحث چل رہی ہے تو پھر؟" انہوں نے سوال کیا۔

"تو پھر سر! آپ کو اپنا موقف بتانا چاہیے۔ اپنی پوزیشن کلیئر کرنا چاہیے سر!"

"میری سمجھ میں یہ نہیں آتا سلطان! کہ تم اتنے سال کیا کرتے رہے ہو۔ اتنے برسوں کے تجربے کے بعد بھی تمہیں یہ پتا نہیں چلا کہ وضاحت صرف اس بات کی دی جاتی ہے جس کا کہیں نہ کہیں کوئی وجود ہوتا ہے اور پوزیشن وہی کلیئر کی جاتی ہے جو کہیں نہ کہیں آکورڈ ہوتی ہے۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"وہ تو ٹھیک ہے سر!" سلطان ان کا موڈ بھانپ کر منمنایا۔ "مگر سر! میری انفارمیشن کے مطابق ان کے پاس "ثبوت" ہیں سر!"

"اچھا پھر؟" انہوں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"اینی وے سر!" سلطان نے سمجھ لیا تھا کہ وہ اس انفارمیشن سے متاثر نہیں ہوئے تھے۔ "سر! وہ لڑکی میرا مطلب ہے کہ وہ رپورٹر اس کے مطابق اسے آپ سے کوئی ذاتی کام بھی ہے۔"

"آج کل ذاتی کام تو بیگم صاحبہ سے ہی ہو سکتے ہیں۔" انہوں نے بھی اپنا لہجہ بدل کر قدرے شگفتہ انداز میں کہا۔

"جی سر!" سلطان نے جیسے اطمینان کا سانس لیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم نیوز ٹوڈے کو ٹائم دے دو۔" انہوں نے دانستہ طور پر رپورٹر کے بجائے اخبار کا نام لیتے ہوئے کہا۔

اور ٹھیک تیسرے دن وہ ان کے سامنے موجود تھی۔

"آئی ایم ساری سر! لیکن میں آپ کا کچھ ٹائم لوں گی۔" اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

"کسی بھی بات سے پہلے مجھے آپ کو یاد دلانا ہے کہ پچھلی مرتبہ آپ نے جس طرح میری باتوں کو توڑ مروڑ کر شائع کیا تھا اس کے بعد مجھے آپ کو ٹائم دینا نہیں چاہیے تھا لیکن میرے انکار پر جو واویلا آپ کر سکتی تھیں اس کا بہترین جواب یہ ہے۔ جس کے نتیجے کے طور پر آپ یہاں بیٹھی ہیں۔"

"آف کورس سر!" اس نے اطمینان سے کہا۔ "وہ جو تھا، وہ آج کل کی صحافت کا ٹرینڈ ہے اور ہمیں بہر حال سروائیو کرنا ہے سر! دوسرے یہ کہ میں نے آپ کی زبان کی نہیں دل کی بات لکھی تھی۔ گو مجھے آپ کے دل کی بات کی تشہیر کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں، مگر شاید کسی کی خوشی اور تسلی کے لیے میں ایسا کرنے پر

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

مجبور تھی۔"

"کس کی خوشی اور تسلی کے لیے؟ بائے داوے۔" انہوں نے اس بات میں اپنی دلچسپی کو اندر روکتے ہوئے پوچھا۔

"مسز تہنیت گیلانی کے دل کی خاطر۔" اس نے سکون سے جواب دیا اور ابرار کا دل جیسے حلق میں آ گیا۔

"گو اس وقت میں یہ سمجھتی تھی شاہ صاحب! کہ میں بہت بڑی نیکی کرنے جا رہی ہوں۔ اس وقت بھی اور اس وقت بھی جب میں نے مسز سعیدہ رحمان کو اپنا سبجیکٹ بنا کر تحقیق شروع کی تھی۔ یقین جانیے کہ لکھتے ہوئے ان کے کارناموں کی سیاہی سے میرے ہاتھ لتھڑ گئے تو میرے دل کو ایک انجانا سا سکون محسوس ہوا۔ تہنیت آنٹی کے لیے بھی اور اس ملک کے لیے بھی۔ مگر میں نہیں جانتی تھی کہ کارنامے سرانجام دینے کی خواہش اور اس کی روایت پرانی ہو چکی ہے۔ آج کی دنیا میں بے ایمانی اور بددیانتی پر مبنی کوئی بھی کام کارنامہ کہلا سکتا ہے۔ میری طرح محنت اور لگن کے ساتھ کیا ہوا کام کارنامہ نہیں، جرم بن جاتا ہے۔"

"آپ تو بہت ذہین ہیں۔ آپ اس دور کے ہی

معاشرے اور میڈیا کے اندر سروائیو کر رہی ہیں، کیا آپ بھی نہیں جانتی تھیں کہ کارنامے کا مفہوم وہی پرانا اور روایتی ہے یا بدل چکا ہے۔" ابرار نے دانستہ طور پر اس کی آخری بات کو اچک لیا تھا۔

"میں جانتی تھی مگر میرا خیال تھا کہ اس سارے کے جاب میں اگر کوئی گزند پہنچی تو مجھے پہنچے گی مجھ سے منسوب لوگوں کو نہیں۔ اس قسم کے کارنامے انجام دینے والوں کو سزا ملنی چاہیے، دوسروں کو کیوں آخر؟"

"پھر کیا سزا ملی آپ سے منسوب لوگوں کو۔" انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ سر!" وہ طیش کے عالم میں بولی۔ "سر! آپ مزاق سمجھ رہے ہیں اور کر بھی رہے ہیں۔ آپ کو تو شاید اتنے سالوں میں اپنی وہ گم گشتہ محبت یاد بھی نہیں آئی ہو گی۔ آپ کو تو یہ خیال بھی نہ گزرا ہو گا کہ عہد رفتہ کو

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

آواز دے کر دل میں بھی جھانک کر دیکھیں کہ کیا کبھی وہاں کچھ دن، کچھ ساعتوں کے لیے ہی سہی۔ کوئی آباد ہوا تھا۔ مگر وہ جس نے اس عہد کی پاسداری اب تک کی ہے ان کی خاطر، ان کی تسلی اور خوشی کی خاطر، میں نے مسز رحمان کی شخصیت پر پڑے مہذب اور پاکیزہ پردے اٹھانے چاہے تھے۔ میری انفارمیشن معظم انکل اور اعظم چچا کے ذریعے مکمل نہیں ہو رہی تھی جبکہ۔۔۔"

"مگر یہ سب تم نے کیوں کیا۔۔؟ اس کی کیا ضرورت تھی، تم کون ہو؟" ابرار سلام نے بے اختیار اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"بتاتی ہوں۔" اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "بہر حال جو کچھ مسز رحمان نے کیا۔ وہ انتہائی تھرڈ کلاس حرکت ہے۔" پھر جیسے اس نے غائب دماغی کی کیفیت میں کہا۔ "آپ کو پتا ہے، انہوں نے کیا کیا ہے۔ انہوں نے منوچہر کو اغوا کرالیا ہے۔ بغیر کسی وجہ کے اور اس پر تشدد بھی ہو رہا ہے۔"

"کون منوچہر؟" گو ابرار اس ساری بے سروپا گفتگو کو سمجھ نہیں پائے تھے، مگر تہنیت کے ذکر نے اس ساری کہانی میں ان کی دلچسپی بڑھا دی تھی۔

"منوچہر گیلانی، تہنیت آنٹی کا بیٹا، میرا فیانسی۔ آپ ایسے پوچھ رہے ہیں جیسے آپ کو کچھ علم ہی نہیں۔ منوچہر پچھلے ہفتے آپ کی جاپانی سفیر سے ملاقات کے دوران ٹرانسلیٹر کا کام کر رہا تھا۔ گو یہ آپ کے لیے غیر اہم سی بات تھی کہ وہ لڑکا کون ہو سکتا ہے۔ بہر حال اس کو بیگم صاحبہ (پریس زیادہ تر سعیدہ کے لیے یہ ہی لفظ استعمال کرتا تھا) نے اغوا کرالیا ہے۔"

وہ اس قدر پریشانی کے عالم میں بول رہی تھی کہ غالباً اسے خود بھی علم نہیں تھا کہ اس کی گفتگو میں کوئی خاص تسلسل قائم نہیں ہو رہا تھا۔

گو یہ انتہائی چونکا دینے والی بات تھی مگر اس میدان میں وہ اتنے نشیب و فراز شے گزر چکے تھے کہ بخوبی جانتے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

تھے کہ اس میں کچھ بھی ممکن ہو سکتا تھا۔

"مگر وہ ایسا کیوں کریں گی۔ ان کی اس لڑکے سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟" انہوں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کوئی بھی دشمنی نہیں مگر کیونکہ میں نے ان کی انڈر ہینڈ کرپشن پر ہاتھ ڈالا۔"

"تم نے کس پر ہاتھ ڈالا؟" انہوں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے ذرا غصے میں آکر کہا۔ "بیگم صاحبہ کی کرپشن پر؟ کون نہیں جانتا کہ ان کا سیاسی کیریر کس قدر صاف ستھرا ہے۔ ایک تو تم صحافی لوگ نجانے کہاں کہاں اور کیوں اپنی ناک گھساتے پھرتے ہو۔"

"یہ بھی اچھا ریکٹ ہے۔ نجی زندگی میں آپ بیگم صاحبہ کے رویوں سے جتنے نالاں ہیں، پبلک لائف میں ان کا اتنا ہی دفاع کرتے ہیں۔ خیر! اگر آپ اتنے ہی بے خبر ہیں تو میں آپ کو اپنی رپورٹ کی ایک کاپی ضرور بھجواؤں گی۔"

"پھر وہی بوگس اسٹوری۔" انہوں نے اکتا کر کہا۔

"اگر یہ بوگس اسٹوری ہے تو پھر اتنا تلملانے کی کیا ضرورت ہے۔ دھمکیاں دینے اور منتقمانہ حرکتیں کرنے کی کیا لاجک ہے۔ وہ جانتی ہیں کہ اس بار ان پر پورا ہاتھ پڑ چکا ہے۔ اسی لیے وہ پاگل ہو رہی ہیں۔"

"ول یو پلیز بی ہیولائیک اے مینرڈ پرسن۔" ابرار کا ٹمپرامنٹ اس ساری گفتگو میں پہلی بار بگڑا۔

"آپ کیوں بگڑ رہے ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ پاگل پن اور صحیح الدماغی میں صرف بال برابر کا فرق ہے۔ پہلے تو وہ اس سارے قصے کو لائٹ لیتی رہیں مگر جب بات ان کے اسٹڈ فارمز، ان کی زمینوں، علاقے اور علاقے سے باہر ان کے بی ہیویر (رویے) میں فرق تک پہنچی۔ الیکشن میں جس کالے دھن سے انہوں نے فرقہ وارانہ جماعتوں کو خاموش کرایا، الیکشن کے دوران جن اکاؤنٹس کو آپریٹ کیا گیا اور اب منسٹر بننے کے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

لیے جو چینلز چلائے گئے، آپ کی منسٹری کے لیے جن جن دروازوں سے گزرا جارہا ہے۔اس کے ثبوت مل چکے ہیں۔مائی ڈیر سر اور اس کے بدلے وہ بجائے خود کو درست کرنے کے بلیک میلنگ پر اتر آئیں۔ساری بھاگ دوڑ اور محنت تو میری تھی۔جواب میں انہوں نے منوچہر کو اغوا کرلیا۔صرف اس لیے کہ وہ میرا منگیتر ہے اور تہنیت آنٹی کا بیٹا ہے اور انہوں نے اس سارے کو معظم انکل اور اعظم چچا کی خاندانی مخالفت کا رنگ دے کر پیچھا چھڑانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ منوچہر کی کینسر زدہ بیمار ماں کو ہاسپٹل کے بیڈ پر پڑے ہوئے بھی منوچہر کو جان سے مار دینے کی دھمکیاں دینی شروع کر رکھی ہیں۔"

"کینسر زدہ ماں، ہاسپٹل کا بیڈ۔" ابرار سلام کو جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا۔وہ اس ساری گفتگو سے تہنیت کا جو اصل تعلق نکالنا چاہتے تھے، وہ اب سامنے آیا تھا۔

"لیکن اگر تمہیں معلوم تھا کہ یہ اوپر سے نیچے تک کی ساری سوسائٹی کرپشن میں مبتلا ہے اور مہذب سے مہذب نظر آنے والے لوگ بھی کس طرح اپنی کرپشن چھپانے کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں تو پھر تم اس سارے سلسلے میں سے کیا حاصل کرنا چاہتی تھیں؟" اب وہ سعیدہ کے دفاع کے موڈ میں نہیں رہے تھے ۔وہ جانتے تھے کہ یہ لڑکی جیسے بھی سہی معاملات کی تہہ تک پہنچ چکی تھی۔

"تہنیت آنٹی کے لیے، صرف ان کی خاطر۔"

"مگر کیوں، وہ ایسا کیوں چاہتی ہے؟"

"اپ کو تو وہ کمٹ منٹ جذباتی اور وقتی معلوم ہوتی ہو گی، جس کے دفاع میں آپ چوں چرا بھی نہ کر سکے مگر وہ کمٹ منٹ ان کے لیے غالباً عمر بھر کا روگ بن کر رہ گئی۔وقت نے جس طرح ان کی معصوم جذباتی خواہشات کو عظیم الشان شکست سے دوچار کر کے اپنے پیروں تلے روندا تھا، اس کے نتیجے میں ان کا عالم گیر محبت سے بھرا دل عالم گیر غصے اور عالم گیر نفرت کا شکار ہو گیا۔وہ بیاہ کر کرنل نواز گیلانی کے گھر تو چلی گئیں اور ایک عمر

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ان کی زندگی کا حصہ بن کر گزار دی۔ان کے بچے پیدا کیے، معاشرے میں اپنی شناخت بھی اس حوالے سے بنالی مگر اس شام جو گفتگو انہوں نے آپ سے کی، وہ ان کی زندگی کا احاطہ کرتی رہی۔پہلی بار جب میں ان سے اپنے کلاس فیلو منوچہر کی ماں سے ملی، اس پہلی بار میں ہی میں نے ان کے چہرے اور آنکھوں میں وہ شکستگی بھانپ لی تھی جو ان کے ساتھ عمر بسر کرنے والے ایک لمحہ کو بھی نہ سمجھ سکے تھے۔تیسری، چوتھی ملاقات میں ہی میں نے اس شکستگی کے پیچھے چھپی کہانی پوچھ ڈالی اور ان کو بھی غالباً ایک عمر بعد کوئی مونس کوئی غم خوار ملا تھا۔اس شام ہم دونوں اکیلی تھیں۔جب انہوں نے اپنی معصوم پاکیزہ ان چھوئی محبت کی مختصر داستان مجھے سنائی تھی اور اسی رات مجھے منوچہر کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ وہ جگر کے کینسر کا شکار ہیں۔ان کے الفاظ میری سماعت میں کئی دن گونجتے رہے۔

"ایک عمر میں یہ سوچتی رہی کہ سعیدہ کی خود غرضی اور خود مختاری نے میری زندگی تباہ کر دی۔گو یہ ایک غیر منطقی سی بات ہے۔جو ہوا اسے تقدیر کا لکھا سمجھ کر بھلایا بھی جا سکتا تھا مگر میں یہ سب سمجھنے کے باوجود اپنے دل کو یہ نہ سمجھا سکی کہ اس نے ایسا نادانستگی میں نہیں کیا۔وہ ابرار کے لیے میرے جذبے کو خوب اچھی طرح سمجھتی تھی۔یہ درست ہے کہ اس کے لیے بلکہ اس جیسی عورت کے لیے

ابرار جیسا شخص ہی مناسب ترین تھا مگر وہ ابرار کے بارے میں میرے ہی الفاظ تھے جنہوں نے سعیدہ کی توجہ ابرار کی طرف مبذول کرائی تھی۔وہ جانتی تھی کہ وہ اپنی رائے دے سکتی تھی اور اپنی بات منوا سکتی تھی۔سو اس نے فٹ سے اپنی بات کہہ دی اور میں تہی داماں رہ گئی۔میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ وہ سب جس کے کرنے پر باقی لوگوں کی پکڑ ہوتی ہے۔وہ سب کرنے کے باوجود سعیدہ کی پکڑ کیوں نہیں ہوتی؟"

"یقین کیجئیے شاہ صاحب! تہنیت آنٹی کی ان باتوں میں اتنا دکھ اتنی شکستگی تھی کہ میں جو شاید کبھی بھی مسز رحمان کو اپنی پک آف دی رپورٹس (SUBJECT PICK OF THE REPORTS کا

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

نہ بناتی۔ایک دم سے ایسا کرنے پر تل گئی۔میں کوئی خاص پر امید نہیں تھی۔کیونکہ اوروں کی طرح میں بھی یہ سمجھتی تھی کہ مسز رحمان ایک صاف شفاف پولیٹیکل کیریر رکھتی ہیں۔مگر اتفاق سے میرے ساتھ کچھ ایسے لوگ مل گئے جو ایجنسیز سے تعلق رکھتے تھے۔میرا کام اتنا آسان کبھی نہ ہوتا۔اگر آپ کی اپنی پارٹی کے لوگ ان کے بارے میں نہ بتاتے۔مسز رحمان کے ساتھ تمام خوش قسمتیوں کے ساتھ ساتھ ایک ٹریجڈی بھی ہے اور وہ یہ کہ وہ ہر ایک سے یہ توقع کرتی ہیں کہ وہ ان کی طرح سوچے،ان کی طرح رہے،وہ اپنے آپ سے اتنی محبت کرتی ہیں کہ اپنے سوا باقی لوگ انہیں سوچ سے عاری لگتے ہیں اور آپ سمیت ان سے متعلق ہر شخص ان کی اس عادت سے نالاں ہے۔ہم جیسے ایڈونچررز کبھی اپنی ایسی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے ۔اگر اوپر سے آپ جیسوں پر سے ہاتھ نہ اٹھ جائے۔مجھے امید ہے کہ آپ بور نہیں ہو رہے ہوں گے۔"

پھر دفعتاً اس نے رک کر دریافت کیا اور ابرار کے چہرے پر تذبذب اور پریشانی کے واضح اثرات دیکھنے کے باوجود شروع ہو گئی۔

"آپ دونوں کے تعلقات یقیناً بہت اونچے اور گہرے ہوں گے سر!مگر مجھے میری رپورٹ لکھنے کی سزا کسی اور رنگ میں بھی دی جا سکتی تھی۔منوچہر نے تو کسی کا کچھ نہیں بگاڑا تھا،مسز رحمان اس کو اغوا کرا کے کس کو سزا دے رہی ہیں؟مجھے یا تہنیت آنٹی کو؟وہ کیا سمجھ رہی ہیں اور کیا کرنا چاہتی ہیں؟"

"مگر تہنیت کو بھول جانا چاہیے تھا۔"انہوں نے گویا بے بسی کے عالم میں کہا۔اب جبکہ وہ جانتے تھے کہ درون دل کا وہ راز اس لڑکی کے سامنے راز نہیں رہا تھا تو انہوں نے یہ بات اس طرح کہی۔جیسے کسی اپنے سے کہی جاتی ہے۔

"یہ رقابت کا چکر ہے سر!اس سلسلے میں کچھ لوگ بے بس ہوتے ہیں،اس دکھ نے ان کی ساری زندگی کا احاطہ کیا۔جس میں یہ غم بھی شامل تھا کہ آپ ان کے لیے احتجاج نہ کر سکے،اسی دکھ نے ان کے جگر کو چھلنی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

کر دیا۔اور میں جانتی ہوں کہ سعیدہ رحمان کی ایک پکڑ ان کی دم توڑتی ہوئی زندگی کی آخری اور بھرپور خوشی ثابت ہو سکتی تھی،جسے میرے اندھا دھند جذباتی پن نے ان کے لیے ایک اور سزا بنا دیا۔منوچہر کی زندگی سے مایوسی کی سزا۔"

"نہیں ایسا نہیں ہو گا،میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔"انہوں نے اعتماد کے ساتھ کہا۔"مگر تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ یہ کام سعیدہ نے کروایا ہے۔"

"آپ اپنی تسلی کر سکتے ہیں سر!"اس نے بے نیازی سے جواب دیا تھا۔"اچھا سر!میں اب چلتی ہوں۔مجھے یہی پرسنل کام تھا۔آپ سے مجھے امید ہے کہ خفیہ والے ہماری ملاقات کی انفارمیشن آگے پہنچا چکے ہوں گے ۔آگے جو ہو سو ہو مجھے آپ سے یہ ملاقات تو کرنی ہی تھی۔"

"وہ کس ہاسپٹل میں ہے؟"اس کے مڑنے پر انہوں نے عقب سے پوچھا۔

"سی ایم ایچ،ان کا کمرہ پرائیویٹ ہے،منوچہر کے ملنے کی سورت میں ان کو امریکہ لے جایا جائے گا،نہ ملنے کی صورت میں شاید اس کی ضرورت نہ رہے۔"

اس ملاقات کے بعد ابھی وہ حالات کا مکمل جائزہ لینے اور واقعات پر نظر رکھنے میں ہی مصروف تھے

جب ملکی سطح پر جاپانی قونصلیٹ کے ٹرانسلیٹر منوچہر گیلانی کے اغوا کے بارے میں خبریں نمایاں ہونے لگیں۔ ہیومن رائٹس تنظیمیں اور صحافتی برادریاں حرکت میں آ گئیں۔روز نئی نئی واکس اور احتجاجی مارچ کا اہتمام ہونے لگا اور ان واقعات کو انٹرنیشنل میڈیا میں کوریج ملنے لگی۔سعدیہ رضوی ممکنہ مددگار لوگوں کو موبلائز کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ادھر ان کے اپنے گھر میں ایک طرح کے اضطراب اور بے چینی کی کیفیت پیدا ہونے لگی تھی اور اس روز ایوان صدر کے عشائیے میں بھی اس خبر پر ردعمل ظاہر ہوتے رہے۔وہ اپنی سی پوری کوشش میں مصروف تھے کہ سعیدہ کو اس سطح پر لے آئیں کہ وہ اس منتقمانہ حرکت سے کنارہ کر لے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"یہ کچھ لوگ ہیں جو میرے پورے سیاسی کیریر کے درپے ہیں۔ آپ ان اوکاڑہ والوں کی اوچھی حرکتوں سے واقف ہیں یہ ان کا کام ہے۔"

"کسی کا بھی کام ہے، اس لڑکے کو اغوا کر کے آپ اس بات پر مہر لگا رہی ہیں کہ آپ کو کس پر شک ہے۔ یہ شک ظاہر کیے بغیر بھی معاملہ نمٹایا جا سکتا ہے۔"

"آپ سے کس نے کہا کہ یہ لڑکا میں نے اغوا کرایا ہے۔"

"مجھے کسی کے بتانے کی ضرورت نہیں، آپ جانتی ہیں کہ میں وہ سب بھی جانتا ہوں جس کے رپورٹ بننے کی خبر پر آپ یہ سب کر رہی ہیں۔ کیا ملے گا اس سب سے آپ کو؟ وہ لڑکا مر بھی جائے گا تو کیا حاصل ہو گا، رپورٹ دب جائے گی؟ اب اس طرح کی سودے بازیاں پرانی ہو چکی ہیں۔ اب ڈیکنگ کا کوئی اور طریقہ اختیار کریں۔ آپ جانتی ہیں کہ اوپر تک اس واقعہ کا نوٹس صرف اس لیے لیا جا رہا ہے کہ مخلوط حکومت پر احتساب کا دباؤ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کے سلسلے میں آپ پر گرفت کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا جائے گا۔"

"پھر کیا کرنا چاہیے آپ کے خیال میں؟"

"سب سے پہلے تو اس فرقہ پرست گروہ کے چنگل سے اس لڑکے کو نکلوایئے، جس کو آپ کے کہنے پر اغوا کر کے مذہبی رنگ دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔"

"اس لڑکے سے ہمدردی۔۔۔۔! کیا صرف اس لیے کہ وہ تہنیت کا بیٹا ہے؟"

سعیدہ کے سوال نے تہنیت کے یقین پر صحیح ہونے کی مہر ثبت کر دی تھی۔ اس انکشاف کو ابرار سلام نے اپنی سرد مزاج شخصیت میں جذب کر لیا۔

"اس بات کا علم مجھے کچھ دن قبل ہی ہوا ہے۔ جبکہ اس سلسلے میں، میں آپ کو بہت دن پہلے سے کنوینس کر رہا ہوں۔ اس ساری بات میں اس لڑکے کا کیا قصور ہے؟"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"اس کا کوئی قصور نہیں۔ قصور اس کے متعلقین کا ہے اور اگر اس کے متعلقین اس کے بدلے مجھے وہ رپورٹ دے دیں تو۔۔۔"

"آپ لوگوں کے ذہنوں سے ان معلومات کو صاف نہیں کر سکیں گی، اس مسئلے کو اس طرح ہینڈل کرنا آپ کے لیے مزید مشکلات کھڑی کر سکتا ہے۔ اور پھر آپ۔"

وہ کچھ اور کہنا چاہتے تھے جب سعیدہ کو پرائم منسٹر ہاؤس سے کال کیا گیا۔ وہ اس بات میں مزید ناک گھسانا نہیں چاہتے تھے، اس لیے انہوں نے اس خصوصی کال کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا۔

"آپ اس صحافی لڑکی سے ملتے رہے ہیں۔ یہ بات مجھے آج ہی پتا چلی ہے۔" کچھ دن بعد سعیدہ نے ان سے کھانے کیٹیبل پر کہا۔

"میں آپ کا دفاع کرنے کی کوشش کرتا ہوں خواہ اس کی صورت کچھ بھی ہو۔" انہوں نے مطمئن انداز میں جواب دیا۔ "میں نے آپ سے درخواست کی تھی کہ اس لڑکے کو وہاں سے نکلوایئے۔"

"یہ اتنا آسان نہیں ہے، میں اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹ سکتی۔ اگر میں پیچھے ہٹ جاؤں گی تو وہ لوگ آئندہ بلدیاتی الیکشن میں ہمارا ساتھ کیسے دیں گے؟"

"اس لڑکے سے ان کی کیا دشمنی ہے؟ وہ صرف آپ کے کہنے پر اسے لے گئے ہیں اور اگر بات کسی

کمٹ منٹ کی ہے تو پھر بھی آپ کو چند سال تک کیا مشکل ہے۔ آپ بلدیاتی الیکشن لڑ نہیں سکتیں۔ موجودہ حیثیت میں اس کی اجازت نہیں ہے۔"

"تو کیا میں مقامی سیاست پر گرفت چھوڑ دوں گی۔ میں یہ الیکشن ثمرہ کو لڑاؤں گی۔ تاکہ آئندہ سالوں میں میرے لیے علاقے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔"

اور ابرار تازہ پلاننگ اور فرمان سن کر اپنی جگہ سن ہو گئے، اس عورت کو اقتدار اور بلندی کی کس قدر ہوس

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

تھی۔اسے جھکے ہوئے سر اور ہاں میں ہاں ملاتی ہوئی زبانیں اچھی لگتی تھیں۔یہ سب حاصل کرنے کے لیے خواہ کچھ بھی کرنا پڑے اور اس کی خاطر اب وہ اپنی نو عمر، معصوم بیٹی کو اس خارزار میں دھکا دینا چاہتی تھی۔وہ یقیناً مکمل طور پر ساجد چچا کی بیٹی تھی۔

لیکن انہوں نے اس تازہ فرمان سے فوری اختلاف نہیں کیا۔

"فی الحال اس مسئلے کو دبائیں، اس لڑکے کو اس کمٹ منٹ پر نکالا جا سکتا ہے کہ وہ کوئی بیان بازی نہیں کرے گا۔آپ جانتی ہیں کہ اس روز وزیر اعظم نے بھی آپ سے اس مسئلے کے ہاٹ ہو جانے کی بات کی ہے، آج کی دنیا میں اس طرح کے اسکینڈل بھڑکتی آگ بن سکتے ہیں۔"

مگر وہ اس بات پر رضامند نہیں ہوئی تھی۔سعدیہ رضوی کی اس کے بارے میں اسٹیٹمنٹ بالکل درست تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ صرف وہ درست ہے اور باقی سارے لوگ سوچ سے عاری ہیں۔

پھر ان کی زندگی میں وہ اندھیرے اور روشنی میں ڈوبتی جھلملاتی رات بھی آئی، جب وہ ملٹری ہاسپٹل راولپنڈی تک ایک عام کار میں بغیر ڈرائیور کے گئے تھے۔کرنل نواز گیلانی ان کی آمد پر حیران تھے۔مگر وہ ہر طرف سے اس قدر بے بس اور پریشان تھے کہ ان سے کچھ پوچھ نہ سکے۔اور بیڈ پر ڈرپس اور دوائیوں کے درمیان گھری ان کی اولین محبت ہڈیوں کا ڈھانچہ بنی پڑی تھی۔اس کے چہرے پر زردی اور نقاہت تھی اور بند آنکھیں بھی نم تھیں۔

"اگر منوچہر آجائے تو ان کی صورتحال بہتر ہو سکتی ہے۔"

کرنل گیلانی کہہ رہے تھے اور وہ آہستہ قدموں سے چلتے مریضہ کے بیڈ کے پاس گئے تھے اور اپنے پھٹتے دل کو قابو کرتے ہوئے اس کے استخوانی ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر انہوں نے دھیرے سے کہا تھا۔

"تم اطمینان رکھو تہنیت! منوچہر بھی گھر آجائے گا اور وہ جس نے تم سے زندگی کا یقین چھینا ہے وہ بھی وقت

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

کی پکڑ میں ضرور آئے گی۔"

وہ آنکھیں چونک کر کھلی تھیں اور امید، خوشی اور خوف کے ملے جلے تاثر میں ڈوب گئی تھیں اور پھر بند ہو گئی تھیں۔

وہ اس روز بھی سیاہ لباس میں تھی اور اس کا سر سیاہ دوپٹے میں چھپا ہوا تھا۔غالباً ان کے بعد اس کی ساری زندگی سراپا ماتم بن چکی تھی۔

تنہائی کی، غربت کی، پریشانی کی شب ہے

یہ خانہ شبیر کی ویرانی کی شب ہے

اس کی بند آنکھوں اور زرد چہرے کو دیکھتے ہوئے کہیں دور سے انہیں ایک پر سوز آواز کی صدا آتی سنائی دی اور وہ جیسے کچھ برداشت کر سکنے کا حوصلہ کھو کر تیزی سے کمرے سے باہر نکل آئے تھے۔

زندگی میں پہلی بار انہوں نے اپنے ذاتی تعلقات استعمال کیے تھے اور منوچہر کو ان لوگوں کے چنگل سے نکلوایا تھا، اس سلسلے میں وہ کس لمبی مسافت سے گزرے تھے یہ وہ ہی جانتے تھے۔بادی النظر میں یہ اغوا برائے تاوان کا کیس بنا تھا اور سعیدہ کا نام بھی کلیئر ہو گیا تھا۔

"میں آپ کی شکر گزار ہوں۔آپ نے مجھے ایک دہرے عذاب سے نکالا ہے۔"سعیدہ نے احساس تشکر کے ساتھ ان سے کہا تھا اور ثمرہ کے سیاسی مستقبل کے بارے میں گفتگو کرنے لگی تھی۔اس کام کے بدلے اس نے انہیں شاید وقتی طور پر اس قابل سمجھا تھا کہ کسی مسئلے پر ان سے تبادلہ خیال کرتے اور وہ اس ساری گفتگو کے دوران اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے رہے۔

اقتدار کی ہوس کا شکار، حاکمیت کے احساس سے بھرا ہوا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

بظاہر گفتگو بہت عاجز، چہرہ عاجزی اور نرمی کا شاہکار، خاندانی جائیداد اور جاگیر کا زعم، پس پردہ بہت سے ایسے ذرائع وسائل جن کا کوئی نام نہیں تھا، وہ سارے اکاؤنٹس جو خفیہ تھے، جنہیں آپریٹ کرنے کے طریقے بھی خفیہ تھے۔ فارمز، فیکٹریز، ملز، ٹیکس زیرو پرسنٹ بھی نہیں۔ آمدنی کروڑوں میں، بجلی کے بل، مونگ پھلی کی قیمت کے برابر، فرقہ وارانہ جماعتوں کے ساتھ اندر تک تعلقات، وقت کے وقت آگ بھڑکائی اور پھر معصوم چہرے کے ساتھ بجھالی۔ ددھیال، ننھیال کی جائیدادوں میں دوسروں کے حقوق غصب کر کے چھینے گئے حصے، اندرون وبیرون ملک لمبی لابنگ، نیک نامی، اچھی شہرت، اقتدار کو نسل در نسل منتقل کرنے کی خواہش، علاقے کے اندر نیک بی بی، باہر ماڈرن تھی۔ خاتون سیاستدان، دلوں اور ذہنوں کو فتح کرنے کے تمام ہتھکنڈوں سے واقف، یہ وہ عورت تھی جس نے اپنی غرض کی خاطر دو زندگیاں تباہ کی تھیں، جن میں سے ایک موت کے دہانے پر پہنچ چکی تھی۔

"اس غرور کو، اس احساس فتح کو کبھی زوال آسکتا ہے؟" انہوں نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے سوچا۔

"تہنیت آنٹی کی آخری بڑی خوشی، سعیدہ رحمان کی ایک پکڑ۔" پھر ان کی سماعت سے ایک آواز ٹکرائی۔

"ایک دن میں وقت کی آواز بن کر اس کے لیے عذاب بن جانے کی دعا اپنے دل میں کرتی رہوں گی۔"

دوسری آواز آئی۔

"آپ نے محبت کے گزرے کسی ایک لمحے کی بھی پاسداری نہیں کی۔" تیسری آواز آئی۔

****

"سعدیہ! آپ اپنی رپورٹ کی کاپی مجھے بھجوائیں گی۔ آپ نے وعدہ کیا تھا۔" ایک شام وہ سعدیہ رضوی سے Gray haired and blue کہہ رہے تھے اور پھر ان کی فائل میں وہ رپورٹ آئی جس کا عنوان

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

(سرمئی بالوں اور نیلی آنکھوں والی پاکستانی جاگیر دارنی۔)eyed land lady of pakistan

اور اگلے چند دن رپورٹ کے کچھ حصوں کو سلیکٹ کرنے میں گزرا تھا، متعلقہ لوگوں سے رابطہ خود انہوں نے نہیں، ان کے اعتماد کے دو بندوں نے کیا تھا۔

اور اگلے ہفتے خاتون وزیر پر بجلی چوری اور بینک ڈیفالٹنگ کا کیس منظر عام پر آچکا تھا۔

مسز سعیدہ رحمان خود پر ٹوٹنے والی اس قیامت کے اصل ذریعے تک کبھی نہ پہنچ سکیں۔ کیونکہ سعدیہ رضوی اور منوچہر گیلانی شادی کے بعد پیرس جا چکے تھے۔ اور یجنل رپورٹ ابرار نے خود ان کے سامنے تلف کی تھی۔ ہاں، اس خبر پر اٹھنے والے طوفان کے نتیجے میں انہیں اپنی وزارت سے استعفٰی دینا پڑا تھا اور وزیر اعظم نے بخوشی اسے قبول بھی کر لیا تھا۔ یہ ان کی سیاسی زندگی کی ایک ایسی شرمناک شکست تھی جس کی راکھ پر وہ کبھی اس شاندار عمارت کو دوبارہ کھڑا نہ کر سکیں۔

آئندہ ماہ کے آغاز پر سید ابرار سلام کو نیویارک سے ایک کال وصول ہوئی تھی۔

"مسز رحمان کے استعفٰی کی خبر تہنیت آنٹی نے انٹرنیٹ پر خود دیکھی بلکہ ہم نے دکھائی ہے شاہ صاحب! اور اس کے بعد حیرت انگیز طور پر بہتر نظر آنے لگیں۔ کل رات ان کا آپریشن ہوا اور کامیاب بھی ہو گیا۔ وہ کام جو میں خود کبھی نہ کر سکتی آپ نے کتنی آسانی سے کر لیا۔ اس دور میں کوئی مسیحا تو ایفائے عہد کو پہنچا سر!"

سعدیہ رضوی کہہ رہی تھی اور ابرار سلام کے دل پر سے جیسے برسوں پرانا بھاری بوجھ اتر گیا تھا، ان کا دل مطمئن تھا اور ضمیر بھی۔ انہوں نے تہمیت کے ساتھ ساتھ اس ملک کا کچھ قرض بھی اتارا تھا، جس کے مقدر کے ستارے ڈوبتے نظر آنے لگے تھے۔

ختم شد